سات قسم کے لوگ
عرش کے سائے میں

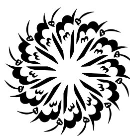
مؤلف

مولانا کلیم اللہ قاسمی

معتمد دارالافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

ناشر

مکتبۃ الاصلاح محلہ لال باغ مرادآباد



سات قسم کے لوگ

عرش کے سائے میں

مرتب :

مولانا کلیم اللہ قاسمی

معتمد دارالافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

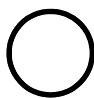
وشریک ادارت: ماہنامہ ''ندائے شاہی'' مرادآباد

موبائل: 09412677469 / 09410679786

ناشر:

مکتبۃ الاصلاح

دارالطلبہ مدرسہ شاہی لال باغ مرادآباد



سات قسم کے لوگ

عرش کے سائے میں

- ❑ میدان محشر کی سختی و ہولنا کی
- ❑ عدل وانصاف کے مثالی واقعات
- ❑ جوانی کی عبادت کی قدر و قیمت
- ❑ مسجد سے دلی تعلق اور لگاؤ
- ❑ آپس میں محبت اور تعلق
- ❑ خوف خدا اور عفت و پاکیزگی
- ❑ خفیہ صدقہ وخیرات کی فضیلت
- ❑ اللہ کی یاد میں آنسوؤں کا بہنا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظِلِّهٖ يَوْمَ لَاظِلَّ إِلَّا ظِلُّهٗ، اَلْإِمَامُ الْعَادِلُ، وَشَابٌّ نَشَأَ فِيْ عِبَادَةِ رَبِّهٖ، وَرَجُلٌ قَلْبُهٗ مُعَلَّقٌ فِيْ الْمَسَاجِدِ، وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِيْ اللّٰهِ اِجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ، وَرَجُلٌ طَلَبَتْهُ ذَاتُ مَنْصَبٍ وَجَمَالٍ. فَقَالَ اِنِّيْ أَخَافُ اللّٰهَ، وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ إِخْفَاءً حَتّٰى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهٗ مَا تُنْفِقُ بِيَمِيْنِهٖ، وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللّٰهَ خَالِياً فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ. الحديث. (بخاری شریف ۹۱/۱ حدیث:٦٥١، ١٩١/١ حديث ١٤٠٥، ٢/ ٩٥٩ حديث ٦٢٣٠، ١٠٠٥/٢ حديث ٦٥٤٨، ترمذی شریف ٦٤/٢)

حضرت ابو ہریرہؓ نبی اکرم ﷺ سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سات قسم کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اس دن عرش کا سایہ عطا فرمائے گا۔ جس دن عرش الٰہی کے علاوہ کسی چیز کا سایہ نہ ہوگا۔(۱) منصف بادشاہ (۲) وہ نوجوان جس نے اپنے رب کی عبادت میں پرورش پائی ہو (۳) وہ شخص جس کا دل مسجد میں اٹکا رہتا ہو (۴) وہ دو آدمی جو اللہ کے لئے محبت رکھتے ہوں اور اسی کے لئے ملاقات کرتے ہوں اور اسی کے لئے جدا ہوتے ہوں (۵) وہ شخص جس کو صاحب منصب خوبصورت عورت دعوت گناہ دے اور وہ یہ جواب دے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں (٦) وہ شخص جو (اس انداز) میں خفیہ صدقہ کرتا ہو کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی پتہ نہ چلے کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے (۷) وہ شخص جو تنہائی میں اللہ کا ذکر کرتا ہو اور (اللہ کے خوف وخشیت کے غلبہ کی وجہ سے) اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوجائیں۔

مذکورہ حدیث شریف میں حضرت نبی کریم ﷺ نے سات قسم کے ایسے خوش نصیب افراد کا تذکرہ فرمایا جنہیں اللہ تعالیٰ میدان محشر میں عرش کے سایہ میں جگہ مرحمت فرمائے گا۔

میدان محشر قیامت کے بعد قائم ہوگا، اس دن ہر جن و بشر کو اپنے کرتوت کا حساب دینا ضروری ہوگا کوئی بھی اللہ کی گرفت سے بچ نہیں سکتا۔ اس حدیث شریف کی تشریح سے پہلے حشر کے دن کی سختی اور ہولناکی کو بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے تا کہ اُس دن کی تپش اور دھوپ سے بچنے کا داعیہ اور عرش کے سایہ کے حصول کی رغبت پیدا ہو۔

حشر کے دن کی سختی اور ہولناکی

قرآن و احادیث میں حشر کے دن کی سختی اور ہولناکی کو متعدد جگہوں پر بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ سورۂ معارج میں ہے :

يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ، وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ، وَلَايَسْئَلُ حَمِيْمٌ حَمِيْماً، يُّبَصَّرُوْنَهُمْ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْيَفْتَدِىْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ م بِبَنِيْهِ، وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ، وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِىْ تُؤْوِيْهِ، وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعاً ثُمَّ يُنْجِيْهِ، كَلَّا الآية.

(سورة المعارج آیت : ۸ تا ۱۵)

جس دن ہوگا آسمان جیسے تانبا پگھلا ہوا اور ہونگے پہاڑ جیسے اون رنگی ہوئی اور نہ پوچھے گا دوست دار دوست دار کو باوجودیکہ ایک دوسرے کو دکھا بھی دیئے جائیں گے۔ (مگر کوئی کسی دوسرے کی ہمدردی نہیں کرے گا،اوراس روز) مجرم اس بات کی تمنا کرے گا کہ اس روز کے عذاب سے چھوٹنے کے لئے اپنے بیٹوں کو اور بیوی کو اور بھائی کو اور کنبہ کو جن میں وہ رہتا تھا اور تمام اہل زمین کو اپنے فدیہ میں دیدے پھر یہ (فدیہ میں دیدینا) اس کو (عذاب اور قیامت) کی سختی سے بچالے، یہ ہرگز نہ ہوگا۔

اس آیت کریمہ میں حشر کے دن کی سختی اور ہولناکی کا تذکرہ ہے اوراس دن کی شدت سے بچنے کیلئے مجرم دنیا کے تمام رشتے فراموش کردے گا اور چاہے گا کہ اپنے تمام اعزاء اقرباء، دوست احباب، گھر خاندان اور دنیا کے تمام ساز وسامان کو فدیہ میں دے کر اپنی جان اس دن

کی سختی اور پریشانی سے بچالے لیکن ایسانہیں کرسکے گا اور ذلت وعذاب میں مبتلا رہے گا۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَأَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْا اِلَّاسَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ.

(سورۂ یونس آیت : ٤٥)

اوران کووہ دن یاد دلایئے جس میں اللہ تعالیٰ ان کو اس کیفیت سے جمع کرے گا (کہ وہ سمجھیں گے) گویا وہ (دنیا یا برزخ میں) سارے دن کی ایک آدھ گھڑی رہے ہوں گے (چونکہ وہ دن مدید (لمبا) بھی ہوگا اور شدید (سخت) بھی ہوگا اس لئے دنیا اور برزخ کی مدت اور تکلیف سب بھول کر ایسا سمجھیں گے کہ وہ زمانہ بہت جلد گذر گیا) اور آپس میں دوسرے کو پہچانیں گے (بھی لیکن ایک دوسرے کی مدد نہ کرسکیں گے اس سے اور رنج اور صدمہ ہوگا کیونکہ شناسا لوگوں سے توقع نفع کی ہوا کرتی ہے) واقعی (اس وقت سخت) خسارے میں پڑے وہ لوگ جنھوں نے اللہ کے پاس جانے کو جھٹلایا اور (دنیا میں بھی) ہدایت پانے والے نہیں تھے۔

میدان محشر کی عزت وذلت

میدان محشر میں تمام اولین وآخرین، انسان وجنات سب بیک وقت جمع ہوں گے ہر شخص ایک دوسرے کودیکھتا ہوگا اور ہر کارروائی کا مشاہدہ کرتا ہوگا۔ اس دن جسے عزت ملے گی اس سے بڑھ کر کوئی عزت نہیں اور جو بدنصیب اس دن ذلیل ہوجائے گا، اس سے بڑھ کر کائنات میں کوئی ذلت نہیں۔ اس لئے کہ اگر دنیا میں کسی کو کامیابی مل جائے تو اس کی خبر محدود لوگوں تک پہونچتی ہے، اس وجہ سے یہ عزت بھی محدود ہے، اس کے برخلاف جب میدان

محشر میں کسی خوش نصیب بندے کی کامیابی کا اعلان ہوگا اور برسرعام اس کا اعزاز واکرام کیا جائے گا تو تمام اولین وآخرین اس سے باخبر ہونگے۔اورعزت کا دائرہ اتنا وسیع ہوگا جس کا لفظوں میں احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔لہذا وہاں کی عزت ہی حقیقی عزت ہے۔

اسی طرح وہاں کی ذلت ہے اور دنیا کی بڑی سے بڑی ذلت بھی محدود ہے لیکن خدا نخواستہ میدان محشر کی ذلت سے واسطہ پڑ جائے تو اس سے بڑھ کر کوئی ذلت نہیں ہوسکتی۔

کافروں اور بدعمل لوگوں کی اسی ذلت ناک حالت کو قرآن کریم میں جابجا بیان کیا گیا ہے چند آیات ملاحظہ ہوں:

وَلَا تَحۡسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلاً عَمَّا يَعۡمَلُ الظّٰلِمُوۡنَ، اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمۡ لِيَوۡمٍ تَشۡخَصُ فِيۡهِ الۡاَبۡصَارُ، مُهۡطِعِيۡنَ مُقۡنِعِيۡ رُؤُسِهِمۡ لَا يَرۡتَدُّ اِلَيۡهِمۡ طَرۡفُهُمۡ ج وَاَفۡئِدَتُهُمۡ هَوَآءٌ.

(سورۃ ابراھیم آیت : ٤٢ – ٤٣)

اور یہ مت خیال کر کہ اللہ تعالیٰ بے خبر ہے ان کاموں سے جو کرتے ہیں بے انصاف، ان کو تو ڈھیل دے رکھی ہے اس دن کے لئے کہ پتھرا جائیں گی آنکھیں دوڑتے ہونگے اوپر اٹھائے اپنے سر، پھر کر نہیں آئیں گی ان کی طرف ان کی آنکھیں اور دل ان کے اڑ گئے ہوں گے۔

وَنَحۡشُرُهُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوۡهِهِمۡ عُمۡيًا وَّبُكۡمًا وَّصُمًّا ط

(سورۃ بنی اسرائیل آیت : ٩٧)

اور اٹھائیں گے ہم ان کو قیامت کے دن چلیں گے منہ کے بل اندھے اور گونگے اور بہرے۔

وَمَنۡ اَعۡرَضَ عَنۡ ذِكۡرِىۡ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيۡشَةً ضَنۡكًا وَّ نَحۡشُرُهٗ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ اَعۡمٰى، قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرۡتَنِىۡۤ اَعۡمٰى وَقَدۡ كُنۡتُ بَصِيۡرًا، قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتۡكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيۡتَهَا ج وَكَذٰلِكَ الۡيَوۡمَ تُنۡسٰى. (سوۃ طٰہ آیت : ١٢٤ تا ١٢٦)

اور جس نے منہ پھیرا میری یاد سے تو ان کو ملنا ہے گذران تنگی کی اور لائیں گے اس کو ہم قیامت کے دن اندھا وہ کہے گا اے رب! کیوں اٹھا لایا تو مجھ کو اندھا اور میں تو تھا دیکھنے والا، فرمایا یونہی پہونچی تھیں تجھ کو ہماری آیتیں پھر تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج تجھ کو بھلا دیں گے۔

يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا، يَتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا، نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا.

(سورة طٰه : ۱۰۲ تا ۱۰٤)

جس روز صور میں پھونک ماری جائے گی اور ہم اس روز مجرم لوگوں کو اس حالت سے جمع کریں گے کہ ان کی آنکھیں نیلی ہونگی، چپکے چپکے آپس میں باتیں کرتے ہونگے کہ تم لوگ صرف دس روز رہے ہوگے، جسکی نسبت وہ بات کریں گے، اس کو ہم خوب جانتے ہیں جبکہ ان سب میں کا زیادہ صائب الرائے یوں کہتا ہوگا کہ نہیں تم تو ایک ہی روز رہے ہو۔

مذکورہ بالا آیات میں چند مناظر بیان کئے گئے ہیں ورنہ اس دن بے ایمانوں اور بدعملوں کو جس بدترین ذلت کا سامنا ہوگا اس کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اور اس کے بالمقابل اہل ایمان جس عزت وتکریم سے نوازے جائیں گے۔ وہ بھی ناقابل بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس دن کی رسوائی سے بچائے اور حقیقی عزت سے نوازے۔ آمین۔ (مستفاد اللہ سے شرم کیجئے/ ۳۲۷ تا ۳۲۹)

پچاس ہزار برس کا ایک دن

حشر کے دن کی سختی اور ہولناکی صرف چند دنوں یا چند سالوں کے لئے نہ ہوگی بلکہ قرآن واحادیث کی صراحت کے مطابق ایک دن پچاس ہزار سال کا ہوگا۔ تاکہ مجرموں کی تکلیف ومصیبت میں اضافہ ہوتا رہے اور حشر کے دن ہی سے عذاب وعقاب کی سزا سے دوچار ہوجائیں۔ سورۂ معارج میں اس دن کی مقدار کے بارے میں ارشاد ربانی ہے :

كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ. (سورة المعارج : ٤)

جس (دن) کی مقدار (دنیا کے) پچاس ہزار سال (کے برابر) ہے۔

لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے اس طویل ترین دن کو اہل ایمان کے لئے ایک فرض نماز کے وقت کے بقدر ہلکا فرمادے گا۔ ارشاد نبوی ہے :

عَنْ أَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ أَتـیٰ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهِ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ : أَخْبِرْنِیْ مَنْ یَقْوٰی عَلَی الْقِیَامِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ الَّذِیْ، قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ : "یَوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِیْنَ"، فَقَالَ: یُخَفَّفُ عَلَی الْمُؤْمِنِ حَتّٰی یَکُوْنَ عَلَیْهِ کَالصَّلوٰةِ الْمَکْتُوْبَةِ.

(بیهقي فی البعث والنشور، مسند أحمد)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مجھے بتایئے کہ قیامت کے دن جس کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ "اس دن لوگ کھڑے ہوں گے رب العالمین کے حضور میں" تو اس دن کس کو کھڑے رہنے کی طاقت اور قدرت ہوگی (اور کون اس پورے دن کھڑا رہ سکے گا جس کے متعلق قرآن وحدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دن پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: سچے ایمان والوں کے حق میں یہ کھڑا ہونا بہت ہلکا اور خفیف کردیا جائے گا یہاں تک کہ ان کے لئے بس ایک فرض نماز کی طرح ہوجائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں حضرت ابوسعید خدریؓ کو جواب دیا اس کا اشارہ قرآن مجید میں بھی موجود ہے، سورۂ مدثر میں فرمایا گیا ہے :

فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوْرِ فَذٰلِکَ یَوْمَئِذٍ یَوْمٌ عَسِیْرٌ عَلَی الْکَافِرِیْنَ غَیْرُ یَسِیْرٌ. (سورة المدثر آیت ۸ تا ۱۰)

تو جب صور پھونک دیا جائے گا وہ دن بڑا سخت ہوگا، ایمان نہ لانے والوں کے لئے آسان نہ ہوگا۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ سخت اور بھاری دن ایمان والوں کے حق میں سخت اور بھاری نہ ہوگا بلکہ آسان اور ہلکا کردیا جائے گا۔

طبرانی کی ایک روایت میں ہے کہ قیامت اور محشر کا دن مؤمن کے لئے دنیا کے ایک دن کی چھوٹی سی چھوٹی ایک ساعت کے بقدر ہوجائے گا۔ (فتح الباری ۱۴/۷۔۵۴۲، مستفاد اللہ سے شرم کیجئے ۳۳۲)

یعنی صلحاء اور مؤمنین اس دن اتنی عافیت سے ہوں گے کہ انہیں اتنا طویل وقت گذرنے کا پتہ بھی نہیں چلے گا۔

محشر میں پسینہ کا عذاب

میدان محشر کی ہولناک حالتوں میں سے ایک حالت یہ بھی ہوگی اس دن ہر بدعمل شخص اپنی بدعملی کے بقدر پسینہ میں شرابور ہوگا اور اس قدر پسینہ نکلے گا کہ محشر کی زمین میں ستر ہاتھ تک نیچے چلا جائے گا۔ بخاری شریف کی روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :

یَعْرِقُ النَّاسُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ حَتّٰی یَذْهَبَ عَرَقُهُمْ فِیْ الْأَرْضِ سَبْعِیْنَ ذِرَاعاً وَیُلْجِمُهُمْ حَتّٰی یَبْلُغَ اٰذَانُهُمْ.
(بخاری ۹۶۷/۲ حدیث : ۶۵۳۲)

قیامت کے دن لوگ پسینہ میں شرابور ہوں گے یہاں تک کہ ان کا پسینہ زمین سے ستر ہاتھ نیچے اتر جائے گا اور ان کا پسینہ لگام کی طرح چپٹ جائے گا، یہاں تک کے کانوں تک پہنچ جائے گا۔

اور مسلم شریف میں حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :

تُدْنِی الشَّمْسُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ مِنَ الْخَلْقِ حَتّٰی تَکُوْنَ مِنْهُمْ کَمِقْدَارِ مِیْلٍ، قَالَ سَلِیْمُ بْنُ عَامِرٍ: وَاللّٰهِ مَا أَدْرِيْ مَا یَعْنِيْ بِالْمِیْلِ مَسَافَةَ الْأَرْضِ أَوِ الْمِیْلَ الَّتِيْ تُکْحَلُ بِهِ الْعَیْنُ، قَالَ : فَتَکُوْنُ النَّاسُ عَلٰی قَدْرِ أَعْمَالِهِمْ فِی الْعَرَقِ فَمِنْهُمْ مَنْ یَکُوْنُ إِلٰی کَعْبَیْهِ وَمِنْهُمْ

قیامت کے دن سورج مخلوقات سے بالکل قریب آجائے گا یہاں تک کہ لوگوں سے اس کا فاصلہ ایک میل کے بقدر رہ جائے گا، سلیم بن عامر فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم مجھے یہ نہیں معلوم کہ آپ ﷺ نے میل سے زمین کی مسافت مراد لی ہے یا وہ میل (سرمہ کی سلائی) مراد ہے جس سے آنکھوں میں سرمہ لگایا جاتا ہے۔ آگے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کچھ لوگ اپنے اعمال

مَنْ يَّكُوْنَ إِلٰى رُكْبَتَيْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّكُوْنُ إِلٰى حَقْوَيْهِ وَمِنْهُمْ يُلْجِمُهُ الْعَرَقُ الْجَامًا وَ أَشَارَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهٖ إِلٰى فِيْهِ .

(مسلم شریف ۲/۳۸۴، الترغیب واالترھیب ۴/۲۰۹)

کے اعتبار سے پسینہ میں ڈوبے ہوئے ہوں گے، کچھ لوگ ایسے ہوں گے جن کا پسینہ ان کے ٹخنوں تک آئے گا، اور بعض کا پسینہ ان کے گھٹنوں تک ہوگا اور بعض کا ان کے کولھوں کے اوپر تک (یعنی کمر تک) اور بعض وہ ہوں گے جن کا پسینہ ان کے منھ میں جارہا ہوگا اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے دہن مبارک کی طرف ہاتھ سے اشارہ کر کے دکھایا (کہ ان کا پسینہ یہاں تک پہونچ رہا ہوگا، اور ان کے اس منھ میں جارہا ہوگا)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ ایک میدان میں جبکہ بھیڑ اتنی زیادہ ہوگی کہ ہر شخص کو صرف اپنا قدم ہی ٹکانا میسر آئے گا لوگ اپنی اپنی بداعمالیوں کے بقدر پسینہ میں ڈوبے ہوں گے۔ یہ ایسی ہولناک صورت ہے کہ عقل انسانی اس کا تصور کرنے سے بھی عاجز ہے مگر اس پر ایمان لانا ضروری اور لازم ہے۔ (فتح الباری ۱۴/۴۸۱)

اس ہولناک دن میں کچھ اللہ کے مخصوص بندے ایسے بھی ہوں گے جن کو سورج کی گرمی ذرہ برابر بھی نقصان نہ پہونچا سکے گی۔ اس دن بھی امن وامان اور عافیت میں ہوں گے۔

ایک روایت میں ہے ’’ وَلَا يَضُرُّ حَرُّهَا يَوْمَئِذٍ مُؤْمِنًا وَلَا مُؤْمِنَةً‘‘ یعنی اس دن بھی سورج کی گرمی سے مؤمن مرد عورت کو کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ اس سے مراد کامل مؤمنین ہیں جیسے حضرات انبیاء صدیقین اور شہداء کہ ان کو میدان محشر میں کسی تکلیف کا سامنا نہ ہوگا۔ (فتح الباری ۱۴/۴۸۰ - ۴۸۱، التذکرہ ۵/۲۷۵-۲۷۶، مستفاد اللہ سے شرم کیجئے/۳۳۰-۳۳۱)

حشر کے دن صرف عرش کا سایہ

اس جاں گسل اور دل و دماغ کو جھلسا دینے والے دن کچھ لوگوں کو رب العالمین کی طرف سے خصوصی اعزاز و اکرام سے نوازا جائے گا۔ اور انہیں اللہ تعالیٰ اپنے عرش کے سایہ میں جگہ عطا فرمائے گا۔ جس میں ہر طرح کی عافیت اور چین وسکون میسر ہوگا۔ جیسے اس زمانے میں ایرکنڈیشن محلات ہوتے ہیں جس میں کسی قسم کی گرمی دھوپ اور تپش اثر انداز نہیں ہوتی اس سے کہیں زیادہ آرام دہ عرش کا سایہ ہوگا۔ جس میں سات قسم کے لوگوں کو جگہ دی جائے گی اور رب کریم کے خصوصی کرم اور قرب سے بہرہ ور ہوں گے۔

وہ سات قسم کے لوگ کون ہیں انہیں کا تذکرہ مضمون کے شروع میں نقل کردہ حدیث میں کیا گیا ہے۔ اب تفصیل کے ساتھ ان سات قسم کے لوگوں کا تذکرہ کیا جارہا ہے، تاکہ ہمارے دلوں میں بھی یہ عمدہ صفات پیدا کرنے کا جذبہ پیدا ہو اور ہم بھی عرش کے سائے کے مستحق بن سکیں۔



منصف بادشاہ وحاکم

(۱) اَلإِمَامُ العَادِلُ

امام : امام؛مقتدا کے معنی میں ہے،جس کا مصداق حاکم مسلم امیر المؤمنین اور خلیفۃ المسلمین ہے، جسے اپنی رعایا کے ساتھ عدل وانصاف،رواداری اور حسن سلوک کرنے کا تاکیدی حکم ہے۔

لیکن علماء نے لکھا ہے کہ اس حدیث میں لفظ امام سے مراد حاکم اعلیٰ کے ساتھ ساتھ ہر وہ آدمی ہے جس کے اوپر مسلمانوں کے کسی بھی معاملہ کی ذمہ داری ہو، خواہ اس کا دائرۂ کار کتنا ہی مختصر ہو۔ مثلاً کسی تنظیم کا صدر، مدرسہ کا مہتمم یا کسی فرم کا مالک وغیرہ۔ اس سے شریعت کا مطالبہ یہ ہے کہ وہ اپنے دائرہ اختیار میں عدل وانصاف سے سرمو انحراف نہ کرے، اور اپنے ماتحتوں کے درمیان تعصب وامتیاز روا نہ رکھے؛ بلکہ سب کے ساتھ قانون اور ضابطہ کے مطابق برابری کا معاملہ کرے۔ ایسے ہی منصف افراد کے بارے میں حدیث شریف میں ہے:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍوؓ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : إِنَّ الْمُقْسِطِيْنَ عَنْدَ اللّٰهِ عَلٰى مَنَابِرَ مِنْ نُوْرٍ عَنْ يَمِيْنِ الرَّحْمٰنِ عَزَّ وَجَلَّ وَكِلْتَا يَدَيْهِ يَمِيْنٌ الَّذِيْنَ يَعْدِلُوْنَ فِيْ حُكْمِهِمْ وَأَهْلِيْهِمْ وَمَاوَلُّوْا.

(مسلم ۱۲۱/۲)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا انصاف کرنے والے لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دائیں جانب نور کے ممبروں پر ہوں گے اور اس کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں، یعنی وہ حضرات جو اپنی ہر ذمہ داری میں انصاف کا اہتمام کرتے ہیں خواہ وہ حکومت یا فیصلہ سے متعلق ہو یا اس کا تعلق خانگی ذمہ داریوں سے ہو۔

عادل : عادل (منصف) کون ہے اور اس کے مفہوم میں کون لوگ آتے ہیں ؟

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ عادل وہ ہے جو ہر چیز کو اس کا صحیح مقام دے۔ (عمدۃ القاری ۱۸۷/۵)

معاشرہ کے دوسرے افراد کے ساتھ انصاف یہ ہے کہ ان کے حقوق پہچان کران کی ادائیگی کا اہتمام کرے اور جو شخص جس حیثیت کا ہے وہ اپنے ماتحت لوگوں کے ساتھ عدل وانصاف کا برتاؤ کرے، اس لئے کہ ہر شخص سے اس کے ماتحت لوگوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَمَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ. (بخاری شریف ۱/۱۲۲ حدیث : ۸۸۳)	تم میں سے ہر ایک اپنے ماتحت کا نگراں اور محافظ ہے اور اس سے اپنے ماتحت لوگوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا اپنے ماتحت لوگوں کے ساتھ عدل وانصاف کا معاملہ کرنا ہر شخص کی ذمہ داری ہے اور اس عظیم ذمہ داری کو نبھانے کے بعد اس کے صلہ میں اللہ تعالیٰ ایسے افراد کو عرش کے سایہ میں جگہ عطا فرمائے گا۔

چنانچہ اس عظیم اسلامی حکم کو امت مسلمہ کے فرزندوں نے اس مضبوطی سے اپنایا کہ اگر ان کے عدل وانصاف کے تابناک واقعات کو جمع کیا جائے تو مستقل کتابیں تیار ہو جائیں گی۔ ہم یہاں نمونہ کے طور پر چند واقعات درج کرر ہے ہیں۔ تا کہ ہمارے دلوں میں بھی عدل وانصاف کرنے کا جذبہ بیدار ہو اور حشر کے دن کی دشوار گذار گھڑیوں میں عافیت کے ساتھ عرش کے سایہ میں رہنے کی سعادت میسر ہو۔



نبی اکرم ﷺ کا عدل

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں فتح مکہ کے موقع پر ایک عورت نے چوری کی اس عورت کو اس کی قوم کے لوگ گھبرا کر حضرت اسامہ بن زیدؓ کے پاس لے گئے تاکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس عورت کی شفارش کر دیں (اور وہ عورت چوری کی سزا سے بچ جائے) جب حضرت اسامہؓ نے اس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کی تو آپ کے چہرۂ مبارک (کا رنگ غصہ کی وجہ سے) بدل گیا اور فرمایا (اے اسامہؓ) تم مجھ سے اللہ کی حدود کے بارے میں (شفارش کی) بات کر رہے ہو! (حضرت اسامہؓ سمجھ گئے کہ شفارش کر کے انھوں نے غلطی کی ہے اس لئے فوراً) انھوں نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ میرے لئے استغفار فرمائیں۔ شام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرمانے کھڑے ہوئے پہلے اللہ کی شان کے مناسب حمد وثنا بیان کی پھر فرمایا:

تم سے پہلے لوگ صرف اسی وجہ سے ہلاک ہوئے کہ جب ان کا طاقتور اور معزز آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے، اور جب کمزور آدمی چوری کرتا تو اس پر حد شرعی قائم کرتے، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے گی تو میں اس کا ہاتھ ضرور کاٹوں گا۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا جس پر اس چوری کرنے والی عورت کا ہاتھ کاٹا گیا۔ پھر اس عورت نے بہت اچھی توبہ کی اور اس نے شادی بھی کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں اس کے بعد وہ عورت میرے پاس آیا کرتی تھی، اور میں اس کی ضرورت کی بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا کرتی تھی۔ (بخاری شریف ۲/۱۰۰۳، حدیث: ۶۵۳۰)

إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَقْطَعَ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍؓ الدُّوْرَ بِالْمَدِيْنَةِ، وَهِيَ	نبی کریم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو مدینہ منورہ میں زمین کا ایک قطعہ عنایت فرمایا،

بَيْنَ ظَهْرَانَيْ عِمَارَةِ الأنْصَارِ مِنَ الْمَنَازِلَ وَالنَّخْلِ، فَقَالَ بَنُوْ عَبْدِ بْنِ زُهْرَةَ : نَكِّبْ عَنَّا ابْنَ أَمِّ عَبْدٍ، فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : فَلِمَ ابْتَعَثَنِيَ اللّٰهُ إِذًا إِنَّ اللّٰهَ لَايُقَدِّسُ أُمَّةً لَايُؤْخَذُ لِلضَّعِيْفِ فِيْهِمْ حَقُّهٗ.

(رواه البيهقي في شرح السنة، مشكوة : ٢٥٩)

اتفاق سے یہ ٹکڑا انصار کے باغات اور مکان کے درمیان میں واقع ہوا تھا (حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مہاجر ہونے کی وجہ سے مدینہ منورہ میں ابھی کچھ اجنبی سے تھے) اس پر بنوعبدزہرہ نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں یہ درخواست پیش کی کہ ابن ام عبد (حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی کنیت) کو ہمارے مکانات سے علیحدہ کہیں زمین عنایت فرمائیں تو مناسب ہے، اس پر آپ ﷺ نے ناگواری کے لہجہ میں یہ جواب دیا کہ اگر میں ایسا کروں تو اللہ تعالیٰ نے کس مقصد کے لئے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے، یادرکھو! اللہ تعالیٰ کسی جماعت کو اس وقت تک پاک نہیں کرتا جب تک ان میں کمزور کا جو حق ہے وہ اس کو نہ دلوایا جائے۔

اب ذرا غور فرمایئے کہ شکایت کرنے والے کون لوگ ہیں، کیا شکایت کررہے ہیں اور جس شخص کے متعلق شکایت کی جارہی ہے وہ دنیوی اعتبار سے کس حیثیت کا مالک ہے؟ اور پھر پیغمبر آخرالزماں ﷺ کس لب ولہجہ میں ان کا جواب دے رہے ہیں۔ یہاں شکایت کرنے والے اس خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جن کی رسول اللہ ﷺ کے تئیں جاں نثاری اور فدائیت پر قسمیں کھائی جاسکتی ہیں، یہ وہی لوگ ہیں جو مدینہ منورہ میں مسلمانوں کیلئے فرش راہ بنے ہوئے ہیں اور شکایت صرف یہ ہے کہ آپ نے ایک نو وارد کو ہمارے باغات اور گھروں کے درمیان رہنے کیلئے زمین دیدی جس کو ہم خلاف مصلحت تصور کرتے ہیں، ہجرت کا ابتدائی زمانہ ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی دینی وایمانی حیثیت ابھی انصار مدینہ کے درمیان معروف ومشہور نہیں ہے، اس لئے ان سے کچھ اجنبیت محسوس کررہے ہیں اور دربار رسالت

میں بڑے ادب کے ساتھ درخواست گزار ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو زمین ضرور دیجائے لیکن اگر ہمارے علاقہ سے کہیں الگ ان کو زمین دیجائے تو بڑا مناسب ہوگا، نبی کریم ﷺ ان کے لئے قطعۂ زمین الاٹ کر چکے ہیں اوراب طاقت ورانصار کے دباؤ میں آکراپنے فیصلہ کو بدلنا اصول اسلامی کے خلاف سمجھتے ہیں، اس لئے حضرات انصار کی ناراضگی کی پرواہ کئے بغیر آپ ان کی درخواست کو مسترد کر دیتے ہیں اور بڑی ناگواری کے انداز میں ارشاد فرماتے ہیں کہ: ''اگر میں طاقت وروں کے مقابلہ میں کمزوروں کے حق دلوانے میں کوئی پس وپیش کروں تو پھر میری بعثت کا جو اہم مقصد ہے وہی فوت ہوجائے گا''۔

حالانکہ آپ اگر کسی دوسرے مقام پر حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کو زمین عنایت فرمادیتے تو اس میں کوئی حرج نہیں تھا لیکن اصولی طور پر ایک غلط مثال قائم ہوجاتی اس لئے انصار کی درخواست کو نامنظور کر کے یہ باور کر دیا کہ کسی بڑی سے بڑی طاقت کے دباؤ میں آکر فیصلہ کونہیں بدلا جاسکتا ہے۔

آپ کے اس عمل کا نتیجہ یہ ہوا کہ آئندہ کسی کے دماغ میں بھی اس طرح کے خیالات نہیں آئے جس سے کمزوروں کی حق تلفی کا پہلو نکلتا ہو اور پھر نقشہ ایسا بدلا اور انصار ومہاجرین اس طرح شیر وشکر ہوگئے گویا کہ سالہا سال سے ان کی قرابت داری چلی آرہی ہے، طاقت ور اور کمزور کے درمیان کی خلیج پٹ گئی اور ایک دوسرے کے حقوق کی پاسداری اور ایثار وقربانی کا جذبہ پیدا ہوگیا۔

حضرات صحابہ رکرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور حضرات تابعین رحمہم اللہ نے نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کے اس اسوہ پر اس طرح عمل کر کے دکھایا کہ دنیا اسکی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

اس کے بعد عدل وانصاف کے پابند حکمرانوں میں سرفہرست جس شخصیت کا نام روشن ہے وہ ہیں وارث عدل پیغمبر خلیفہ دوم فاروق اعظم سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا عدل وانصاف

بخاری شریف میں امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ کے والد حضرت اسلم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ میں بھی تھا، وہ بازار تشریف لے گئے، وہاں ایک جوان عورت نے آکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اے امیر المؤمنین میرا شوہر ہلاک ہو چکا ہے، میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، اور میں حضرت خفاف بن ایماء غفاری جو اہل حدیبیہ میں سے ہیں، ان کی بیٹی ہوں، اس عورت کی پوری گفتگو اطمینان سے سنی، اور فوراً ایک عمدہ ترین اونٹ اور اس پر دو بوری ضروریاتِ زندگی کا ساز وسامان لاد کر فوراً اسی وقت عورت کے حوالہ کر دیا، اس کام کے لئے کسی خادم کو بھی حکم نہیں فرمایا، از خود عورت کے حوالہ کر کے اس کو تسلی دی۔ (بخاری شریف ۲/۵۹۹، حدیث: ۴۰۱۰، انوار ہدایت ۲۲۷)

علامہ عز الدین ابن الاثیر نے اپنی کتاب ''اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ'' میں نقل فرمایا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خادم اور آزاد کردہ غلام حضرت اسلم فرماتے ہیں کہ: ایک رات حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ کی آبادیوں میں گشت فرمانے لگے میں بھی ساتھ تھا، مدینہ منورہ کے ایک کنارے میں ایک بیوہ عورت نے چولہا جلا کر اس پر ایک ہانڈی رکھ رکھی تھی، بچے اس کے ارد گرد بھوک کی وجہ سے بلبلا رہے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہاں پہنچ کر عورت سے حالات معلوم کیئے، تو عورت نے کہا کہ بچے بھوکے ہیں، میں نے ان کو بہلانے کے لئے چولہے پر پانی کی ہانڈی رکھ دی ہے؛ تا کہ بچے یہ سمجھ کر بہل جائیں کہ کچھ پک رہا ہے، اور اسی حالت میں سو جائیں، جب عورت کی یہ بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سنی تو وہاں بیٹھ کر بہت روئے، پھر اسی وقت فوراً بیت المال میں پہنچ کر ایک بوری اناج اور ضرورت کی بہت سی چیزیں رکھیں اور وہ سب لے کر خادم حضرت اسلم رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اس کو میری پیٹھ پر لاد دیجئے، خادم نے بہت اصرار کیا کہ حضرت مجھے اجازت مرحمت فرمایئے کہ میں اٹھا کر لے جاؤں، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: قیامت کے دن تم سے اس بارے میں سوال نہ ہوگا، سوال تو مجھ سے ہوگا، اس لئے میں ہی لے جاؤں گا، میری پیٹھ پر لاد دو، چناں چہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود اٹھا کر

لائے اور اس عورت کے حوالہ کر دیا، نیز اسی وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے از خود اپنے ہاتھ سے کھانا پکا کر عورت اور اس کے بچوں کو کھلایا، حضرت اسلم رضی اللہ عنہ جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خادم تھے، وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی داڑھی کافی گنجان تھی، چولہے میں پھونک مارنے کی وجہ سے گنجان داڑھی میں دھواں جمع ہو چکا تھا، میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔(اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ ۳/۶۶۲) اللہ اکبر یہ ہے حاکم عادل کا معاملہ جو اپنی ادنیٰ رعایا کے ساتھ ہے۔(انوار ہدایت ۲۲۷، ۲۲۸)

کوئی رشتہ مانع انصاف نہیں

ایک مرتبہ حضرت امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے نبیذ (کھجور کا شربت) پی لیا۔ اتفاق سے اس میں معمولی نشہ پیدا ہو گیا تھا جس کا انہیں پہلے سے اندازہ نہ ہو سکا جب وہ نشہ آور ثابت ہوئی اور انہیں ہلکا سا خمار ہو گیا۔ تو حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ جن کا دل خوف خدا اور فکر آخرت سے معمور تھا گورنر مصر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہونچے اور ان سے درخواست کی مجھ پر شراب کی حد جاری کی جائے۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے تفصیلات پوچھیں، دیکھا کہ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کا تقویٰ اجازت نہیں دیتا کہ وہ حد جاری کرائے بغیر لوٹ جائیں، تو نرمی سے حد جاری کی۔ اس واقعہ کی اطلاع امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو ہو گئی تو انھوں نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو لکھا عبد الرحمٰن کو فوراً میرے پاس مدینۃ النبی روانہ کر دو میں خود اس معاملہ کی تحقیق کرنا چاہتا ہوں۔

امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عدل ضرب المثل ہے دنیا کی تاریخ اس کا جواب پیش نہیں کر سکتی اور یہ سب کچھ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت اور توجہ کا نتیجہ تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی زندگی کا حاصل سمجھتے تھے۔

چنانچہ جب حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ مصر سے امیر المؤمنین کی خدمت میں حاضر ہوئے معاملہ کی تحقیق ہوئی اور امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے دوبارہ حد جاری کرنے کا حکم دے دیا تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ امیر المؤمنین کے صاحب زادے کے ساتھ رعایت برتی گئی۔ اس طرح دوبارہ حد جاری کر کے عدل وانصاف کی تابناک مثال قائم فرمادی۔(مستفاد: حیاۃ الصحابہ عربی ۲/۲۳۲، فاروق اعظم/ ۳۷)

گورنر کے بیٹے سے بدلہ دلوایا

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مصر سے ایک آدمی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا اور اس نے عرض کیا اے امیر المؤمنین! مجھ پر ظلم ہوا ہے میں آپ کی پناہ لینا چاہتا ہوں، امیر المؤمنین نے کہا ہاں تم میری مضبوط پناہ میں ہو۔اس کے بعد اس مصری نے کہا میں نے گورنر مصر حضرت عمرو بن العاصؓ کے بیٹے محمد سے دوڑنے میں مقابلہ کیا اور میں ان سے آگے نکل گیا تو وہ مجھے کوڑے مارنے لگے اور کہنے لگے کہ میں بڑے اور کریم لوگوں کی اولاد ہوں۔اس (شکایت) پر حضرت امیر المؤمنین عمر فاروقؓ نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو خط لکھا کہ وہ خود بھی (مصر سے مدینہ منورہ) آئیں اور اپنے ساتھ اپنے بیٹے کو بھی لائیں۔ چنانچہ حضرت عمرو بن العاصؓ (مدینہ منورہ) تشریف لائے۔اور باپ بیٹے مجلس قصاص میں حاضر ہوئے تو حضرت امیر المؤمنین عمر فاروقؓ نے بلند آواز میں فرمایا وہ (شکایت کرنے والا) مصری کہاں ہے؟ لے یہ درہ اور بڑوں کی اولاد کو مار، مصری نے محمد کو درے مارنے شروع کئے یہاں تک کہ وہ بے دم ہوگئے مصری ان کو مارے جا رہا تھا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرمارہے تھے بڑوں کی اولاد کو مار جب وہ جی بھر کر مار چکا اور درہ امیر المؤمنین کو واپس کرنے لگا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: عمروؓ کی چندیا پر مار! خدا کی قسم بیٹا تجھے ہرگز نہ مارتا اگر اسے باپ کے اقتدار کا گھمنڈ نہ ہوتا۔(امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ جملہ کہہ کر تنبیہ کرنا مقصود تھا کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو اپنے بیٹے کی ایسی تربیت کرنا چاہئے تھی جس سے اس کے اندر کسی پر بھی ظلم کرنے کی جرأت پیدا نہ ہوتی) اس پر اس مصری نے کہا اے امیر المؤمنین! مجھے تو ان کے بیٹے نے مارا تھا میں نے اس سے بدلہ لے لیا ہے (اس لئے اب میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو نہیں مارونگا) پھر امیر المؤمنینؓ نے حضرت عمروؓ کی طرف مخاطب ہو کر غضب ناک لہجہ میں فرمایا: عمرو! تم نے لوگوں کو کب سے غلام بنا رکھا ہے، ان کی ماؤں نے تو ان کو آزاد جنا تھا۔حضرت عمرو بن العاصؓ نے کہا مجھے اس واقعہ کا بالکل پتہ نہیں چلا اور نہ یہ مصری میرے پاس شکایت لے کر آیا (ورنہ میں خود اپنے بیٹے کو سزا دیتا)۔(حیاۃ الصحابہ اردو۲/۱۳۴،عربی۲/۲۳۵، فاروق اعظم/۸۸)

امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کے خلاف فیصلہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں ایک دیہاتی سے گھوڑا خریدا، پھر اس پر سوار ہو کر چل دیئے، کچھ دور چلے تھے کہ گھوڑے پر تھکاوٹ کے آثار ظاہر ہونے لگے اور بہت جلد وہ تھک ہار کر بیٹھ گیا، حضرت عمرؓ واپس ہوئے اور اس دیہاتی سے کہا اپنا گھوڑا واپس لو اس لئے کہ یہ چلنے کی طاقت نہیں رکھتا۔

دیہاتی نے جواب دیا: امیر المؤمنین! میں نے تو تندرست وتوانا صحیح وسالم گھوڑا آپ کو دیا تھا میں اس کو واپس نہیں لے سکتا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: چلو کسی کو اس مسئلہ میں حکم بنالو وہ جو فیصلہ کرے گا اسے قبول کرینگے۔ دیہاتی نے فیصلہ کے لئے شریح بن حارث کندی کا نام پیش کیا امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے اس پر رضامندی کا اظہار کر دیا۔ چنانچہ معاملہ حضرت شریح کے سامنے پہونچا انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا آپ نے گھوڑے کو تندرست وتوانا ہونے کی حالت میں لیا تھا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: جی ہاں۔ تو حضرت شریح نے فیصلہ سنا دیا کہ امیر المؤمنین دو صورتیں ہیں آپ گھوڑے کو اسی حالت میں اپنے پاس رکھئے ورنہ جس حالت میں لیا تھا اسی حالت میں اسے واپس کیجئے۔

ایسا نہیں ہوسکتا کہ بے عیب چیز لے کر عیب دار ہونے کی حالت میں واپس کر دیا جائے حضرت عمرؓ نے بڑے تعجب سے حضرت شریح کو دیکھا اور فرمایا: کیا فیصلہ اسی طرح ہوگا؟

انہوں نے جواب دیا: جی ہاں، صحیح فیصلہ اور مقتضائے انصاف یہی ہے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا: اگر یہی بات ہے تو چلو کوفہ، میں تم کو وہاں کا قاضی بناتا ہوں حضرت شریح کوفہ کے قاضی بنادئے گئے اور کم وبیش ساٹھ سال تک بغیر کسی انقطاع کے مسلمانوں کے درمیان معاملات کا فیصلہ کرتے رہے، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت معاویہؓ اور ان کے بعد آنے والے خلفائے بنوامیہ کے زمانہ میں بھی حضرت شریح کوفہ کے قاضی رہے یہاں تک کہ حجاج بن یوسف کے عہد خلافت میں جب کہ ان کی عمر ایک سو سات سال کی ہو چکی

تھی۔ایک شخص نے ان سے عہدۂ قضاء کوترک کرنے کا مطالبہ کیااوروہ اپنے عہدہ سے دستبردار ہوگئے۔(صورمن حیاۃ التابعین ص:۱۱۴)

اس واقعہ میں غور کرنے کا مقام یہ ہے کہ مقدمہ کے فریقین میں ایک جانب حاکم وقت امیر المؤمنین ہیں اور دوسری جانب ایک معمولی دیہاتی اور فیصلہ کرنے والا ایک تابعی لیکن قاضی کے فیصلہ پراس کا کوئی اثرنہیں پڑتا بلکہ وہ معاملہ کوسن کرشریعت کی روشنی میں خلیفۃ المسلمین کے خلاف ہی فیصلہ سنا تا ہےاور کمزور کی تائیدوحمایت کرتا ہے،اوراس پرتعجب یہ کہ امیر المؤمنین کواپنے خلاف فیصلہ ہونے پرکوئی ناگواری نہیں ہوتی بلکہ وہ فیصلہ کرنے والے سے خوش ہوکراسے کوفہ جیسےاہم ترین علاقہ کا قاضی بنادیتے ہیں۔

حضرت علیؓ کے خلاف فیصلہ

ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں ان کی ایک پسندیدہ اور قیمتی زرہ بالنزاءگم ہوگئی، چنددنوں کے بعدانھوں نے ایک ذمی کودیکھا کہ وہ کوفہ کے بازارمیں اسی زرہ کوفروخت کررہاہے،حضرت علیؓ نے اسے پہچان لیا،ذمی کے پاس گئےاورفرمایا کہ یہ میری زرہ ہے فلاں رات میں فلاں جگہ میرے اونٹ سے گرگئی تھی، ذمی نے جواب دیا: امیر المؤمنینؓ اس زرہ کا میں مالک ہوں اور میرے ہی قبضہ میں یہ اس وقت ہے،حضرت علیؓ نے فرمایاتم غلط کہتے ہو، یہ میری زرہ ہے، میں نے نہ کسی کوہدیہ میں یہ زرہ دی اورنہ فروخت کی جوتمہارے پاس پہونچتی،ذمی نے کہا: اس اختلاف کومسلمانوں کے قاضی سے حل کروائیں گے،حضرت علیؓ نے فرمایا بہت اچھا،ضرورچلو قاضی کے پاس چلتے ہیں،چنانچہ دونوں کوفہ کے قاضی شریح بن حارث کندی کے پاس پہونچے،قاضی صاحب نے دونوں کے دعووں کوبغورسماعت فرمایااورپھرامیرالمؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوکرفرمایا:امیرالمؤمنین یقیناً آپ اپنے اس دعوے میں صادق ہیں کہ زرہ آپ کی ہےلیکن دعوے کی تصدیق کے لئے دوگواہوں کا ہونا ضروری ہے،حضرت علیؓ نے فرمایا: میراغلام ''قنبر'' اورمیرابیٹا''حسن'' یہ دونوں اس بات کی گواہی دیں گے کہ ذرہ میری ہےحضرت شریح نےفرمایا:امیرالمؤمنین یہ گواہی

ناقص ہے اس لئے کہ بیٹے کی گواہی باپ کے حق میں نا قابل قبول ہوتی ہے، حضرت علی ؓ نے ازراہ تعجب ارشاد فرمایا کہ: ایک ایسا شخص جس کے جنتی ہونے کی خود نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیشین گوئی فرمائی ہو اس کی شہادت و گواہی مقبول نہ ہو عجیب بات ہے، کیا آپ کے علم میں "حسن و حسین" کے بارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ فرمان مبارک نہیں ہے؟ "**الحسن والحسین سیدا شباب أهل الجنة**" (حسن و حسین جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں) قاضی صاحب نے فرمایا: امیر المؤمنین آپ کی تمام باتیں درست ہیں لیکن میں بیٹے کی گواہی کو باپ کے حق میں ہرگز تسلیم نہیں کرسکتا، یہ سن کر حضرت علیؓ ذمی کی جانب متوجہ ہوکر فرماتے ہیں: جا زرہ لے جا: اس لئے کہ میرے پاس ان دونوں کے علاوہ کوئی گواہ نہیں ہے، ذمی اسلام کے اس نظام عدل سے متأثر ہوئے بغیر نہیں رہتا اور کہتا ہے، امیر المؤمنین! میں اس بات کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ یہ زرہ آپ کی ہے، اور یہی نہیں بلکہ اس کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ عبادت کے لائق ذات صرف اور صرف اللہ کی ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، اور جس دین کو لے کر آپ اس دنیا میں تشریف لائے ہیں وہی دین دین برحق ہے، کیا عجیب بات ہے کہ بادشاہ وقت اپنے ماتحت قاضی کے سامنے اختلافی مسئلہ کو رکھتا ہے اور قاضی کا فیصلہ بادشاہ کے خلاف آتا ہے جس کو بادشاہ بخوشی منظور کر لیتا ہے، یہ دین اسلام ہی کا امتیاز ہے جس میں اصول سے انحراف نہیں کیا جاتا خواہ کتنی بھی بڑی شخصیت درمیان میں حائل ہوجائے، اس لئے قاضی صاحب آپ بھی یہ یقین کرلیں کہ یہ زرہ میری نہیں امیر المؤمنین ہی کی ہے اور یہ میرے ہاتھ اس وقت لگی تھی جب حضرت علیؓ اپنی ریتیلی رنگ کی اونٹنی پر سوار ہوکر مقام "صفین" کی جانب تشریف لے جارہے تھے اور یہ راستہ میں گرگئی تھی، میں لشکر کے پیچھے چل رہا تھا جب میری نظر اس پر پڑی تو میں نے اٹھا کر رکھ لیا۔

حضرت علیؓ نے سارا معاملہ سن کر ارشاد فرمایا: اب چوں کہ تم نے اسلام قبول کرلیا ہے اس لئے یہ زرہ میں تمہیں ہدیہ کرتا ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ یہ گھوڑا بھی تمہارے حوالے۔ کچھ ہی

دنوں کے بعد یہ شخص مقام ''نہروان'' میں حضرت علیؓ کے جھنڈے تلے خوارج سے مقابلہ کرتا ہے اور جی جان سے باغیوں کے خلاف سینہ سپر ہو جاتا ہے اور اسی مقابلہ آرائی میں یہ مرتبہ شہادت کو حاصل کر کے ابدی کامیابی کا مستحق ہو جاتا ہے۔ (صور من حیاۃ التابعین ۱۱۶/۳، تاریخ الخلفاء/۲۳۳)

عدل وانصاف کا یہ نمونہ دنیا کا کوئی مذہب نہیں پیش کر سکتا، جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے انہیں اس طرح کے واقعات ایک بار نہیں بلکہ بار بار پڑھنے چاہئیں تاکہ وہ یہ سمجھ سکیں کہ اسلام کی توسیع واشاعت ان اسلامی اصولوں کی مرہون منت ہے جس پر اس مذہب کی بنیاد قائم ہے، اسلامی نظام میں کبھی بھی حق والے کا حق مارا نہیں جا سکتا چاہے اس کمزور کے مقابلہ میں دنیا کا بڑے سے بڑا طاقت ور آ جائے لیکن قانون سے کوئی بالاتر نہیں ہو سکتا۔

قاضی کا اپنے بیٹے کے خلاف فیصلہ

حضرت شریح کے صاحب زادے ایک آدمی کے کفیل بن گئے یعنی اس بات کی ضمانت لے لی کہ وہ مکفول لہ کو مجلس قضاء میں حاضر کریں گے، بصورت دیگر تمام تر ذمہ داری ان کی ہوگی۔ قبل اس کے کہ مکفول لہ کو مجلس قضاء میں پیش کیا جاتا اس نے راہ فرار اختیار کر لی اور روپوش ہو گیا نتیجتاً قاضی صاحب نے اپنے بیٹے کو گرفتار کر کے قید خانہ میں ڈال دیا اور روزانہ صبح وشام جیل خانہ میں بیٹے کو خود کھانا پہنچایا کرتے تھے۔ (صور فی حیاۃ التابعین ص:۱۱۸)

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا عدل وانصاف

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ اموی خاندان کے مشہور بزرگ خلیفہ گذرے ہیں۔ جب خلافت کی ذمہ داری ان کے سپرد ہوئی تو عدل وانصاف کے وہ نمونے پیش کئے کہ دنیا انہیں عمر ثانی اور پانچویں خلیفہ راشد کہنے پر مجبور ہوئی۔ علامہ ذہبیؒ اپنی کتاب ''سیرۃ عمر بن عبد العزیز عربی'' میں فرماتے ہیں :

تَجَدَّدَ لَهُ لَمَّا اسْتُخْلِفَ وَقَلَّبَهُ اللّٰهُ فَصَارَ بَعْدُ فِيْ حُسْنِ السِّيْرَةِ وَالْقِيَامِ بِالْقِسْطِ مَعَ جَدِّهٖ لِاُمِّهٖ عُمَرُؓ وَفِي الزُّهْدِ مَعَ الْحَسَنِ الْبَصَرِيِّ وَفِي الْعِلْمِ مَعَ الزُّهْرِيِّ.

(حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ) جب خلیفہ ہوئے تو خداوند تعالیٰ نے ان کو بالکل نئے قالب میں بدل دیا اب وہ عدل وانصاف میں اپنے نانا حضرت عمر فاروقؓ، زہد میں حضرت حسن بصریؒ اور علم میں حضرت امام زہریؒ کے مثل ہوگئے۔

(سيرة عمر بن عبد العزيز عربي ٦٤/، سيرة عمر بن عبد العزيز اردو ٨١/)

بکری اور بھیڑیا ایک چراگاہ میں

حضرت امام حماد بن زید، حضرت موسیٰ بن ایمن الراعی سے نقل فرماتے ہیں کہ وہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور خلافت میں ایران کے مشہور علاقہ کرمان میں محمد عیینہ کی بکریاں چرانے پر مامور تھے وہ فرماتے ہیں کہ ایک چراگاہ میں بکریاں، شیر، بھیڑیئے ایک ساتھ چرا اور رہا کرتے تھے کبھی کسی شیر یا بھیڑیئے نے بکریوں پر حملہ نہیں کیا۔ انسانوں سے جب ظلم اٹھ گیا تو درندوں اور جانوروں سے بھی ظلم ختم ہو چکا تھا اور ہر جگہ عدل وانصاف کا دور دورہ تھا۔ مگر جس وقت حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی وفات ہوئی عین اسی وقت یہاں پر ایک بھیڑیئے نے ایک بکری پر حملہ کر دیا، اسی وقت موسیٰ بن ایمن نے اناللّٰہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ کے کسی ولی کامل اور عبد صالح کی وفات یا ہلاکت ہو چکی ہوگی ورنہ ایسا ہرگز نہ ہوتا، چنانچہ بعد میں معلوم ہوا کہ عین اسی وقت حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی وفات ہوگئی تھی۔ (البدایہ والنہایہ ۲۰۳/۹، انوار ہدایت ۲۳۱/)

عدل وانصاف کیلئے چاہے خاندان قربان کرنا پڑے

حضرت امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جب خلافت پر فائز ہوئے تو ایک دفعہ ان کے مکان پر ان کے خاندان بنوامیہ کے لوگ اس لئے جمع ہو گئے کہ ان کو قرابت کی وجہ سے کوئی عہدہ ملے گا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے سب کو یہ جواب دیا کہ میرے نزدیک تم سب قرابت داروں اور ایک ادنیٰ مسلمان کے درمیان رتی برابر فرق نہیں ہے۔ وہ چونکہ عدل و

انصاف کی سطح پر نظام سلطنت قائم کرنا چاہتے تھے، اس لئے بنوامیہ کے تمام ظالم ناانصاف حکام کو معزول کردیا اور تمام مسلمانوں کے درمیان حکومت عادلہ قائم فرمادی اور جو فوجی دستہ ان کی حفاظت کے لئے تھا اس سے کہ دیا کہ میں عام مسلمان کی طرح ایک مسلمان ہوں۔ مجھے حفاظتی دستہ اور اس بھیڑ کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ سب حالات دیکھ کر ان کے خاندان بنوامیہ کے لوگ سخت خفا ہو گئے تو حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے ایک دفعہ خطبہ میں اعلان کردیا کہ عدل وانصاف قائم کرنے میں مجھے اگر خاندان کے لوگوں کو ایک طرف سے ذبح کرنا پڑے تو میں سب کو تہ تیغ کردوں گا مگر بے انصافی نہیں کرسکتا۔

مثالی زندگی

ترمذی شریف میں حضرت ابوسلام حبشی سے ایک روایت مروی ہے وہ فرماتے ہیں:
حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کو معلوم ہوا کہ میں حضرت ثوبانؓ سے حدیث حوض کوثر مرفوعاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک متصل السند کے ساتھ بیان کرتا ہوں تو انھوں نے میری زبان سے سننے کے لئے مجھے بلوایا میں نے اس حدیث کو ان کے سامنے بیان کردیا کہ حضرت ثوبانؓ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ فرماتے ہیں کہ میرا حوض شہر عدن سے اردن کی راجدھانی عمان تک اتنا لمبا چوڑا ہوگا، اور اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہوگا۔ قیامت کے دن میدان محشر کی سخت دھوپ اور گرمی میں جو شخص اس میں سے ایک دفعہ پی لے گا تو جنت میں داخل ہونے تک دوبارہ پیاسا نہ ہوگا اور اس حوض میں سب سے پہلے مہاجرین اور ایسے فقراء کو پینا نصیب ہوگا جن کے کپڑے پرانے اور جن کے بال مشقت کی وجہ سے پراگندہ ہوں گے جنہوں نے عیش وعشرت میں رہنے والی عورتوں سے شادی نہ کی ہو اور جن کو مالداری اور سرداری نصیب نہ ہوئی ہو، جب حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے یہ حدیث شریف سنی تو رونا شروع فرمادیا، اور کہنے لگے کہ میرے کپڑے بھی اچھے اور زیب وزینت والی عورت عبد الملک بن مروان کی بیٹی فاطمہ میرے نکاح میں ہے اور بادشاہت بھی میرے ہاتھ میں ہے، پھر قسم کھا کر فرمایا کہ آج سے میں اس وقت تک غسل نہیں کروں گا جب تک میرا سر

پراگندہ نہ ہو جائے، اور بدن کا کپڑا اس وقت تک نہیں دھوؤں گا جب تک کہ گندا نہ ہو جائے۔ (ترمذی شریف ۲/ ۷۱، البدایہ والنہایہ ۹/۲۰۲) چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے پورے دور خلافت میں ایک ادنیٰ فقیر و مسکین کی طرح زندگی گذاری۔ (انوار ہدایت ۲۲۸-۲۳۰)

اموال مغصوبہ کی واپسی اور عدل و مساوات

خلفائے بنو امیہ نے رعایا کے مال و جائیداد پر جو ظالمانہ قبضہ کر لیا تھا ان کا واپس دلانا ایک مجدد خلافت اسلامیہ کا سب سے پہلا فرض تھا۔ اللہ رب العزت نے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ سے سب سے پہلے یہی خدمت انجام دلائی۔

جب وہ سلیمان بن عبدالملک کی تجہیز و تکفین اور خلافت کے ابتدائی مراحل سے فراغت حاصل کر کے مکان پر واپس تشریف لائے تو قیلولہ کرنا چاہا، لیکن اسی حالت میں ان کے صاحب زادے عبدالملک نے آ کر کہا ''کہ آپ اموال مغصوبہ کی واپسی سے پہلے سونا چاہتے ہیں'' حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے عذر کیا کہ میں نے سلیمان کی تجہیز و تکفین میں شب بیداری کی ہے اس لئے نماز ظہر کے بعد یہ خدمت انجام دونگا۔ عبدالملک نے کہا ظہر کے وقت تک آپ کی زندگی کا کون ذمہ دار ہوسکتا ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ پر اس جملہ کا اس قدر اثر ہوا کہ ان کو اپنے پاس بلا کر چمٹا لیا اور ان کی پیشانی پر بوسہ دے کر فرمایا اس اللہ کا شکر ہے جس نے مجھ کو ایسی اولاد دی جو مجھ کو مذہبی کاموں میں مدد دیتی ہے۔ اب قیلولہ کا خیال خواب فراموش ہو گیا خلیفۃ المسلمین حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اٹھ کر فوراً منادی کرائی کہ لوگ اموال مغصوبہ سے متعلق اپنی اپنی شکایتیں پیش کریں۔

چنانچہ جب لوگوں نے اموال مغصوبہ کی واپسی کا مطالبہ پیش کیا تو حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے ممبر پر چڑھ کر لوگوں کی جائیدادیں واپس دلانا شروع کیا اور خود بھی چونکہ خاندان بنو امیہ کے ایک فرد تھے اس لئے سب سے پہلے اپنی ذات اور اپنے خاندان سے ابتداء کی اور جن جن لوگوں کی جائیدادوں پر ناجائز قبضہ تھا وہ انھیں واپس دلوایا۔ (مستفاد سیرۃ عمر بن عبدالعزیزؒ ۲۵،۲۶)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے اس طرز عمل کا اثر مختلف لوگوں پر مختلف انداز سے پڑا خوارج کے فرقہ نے جو ہمیشہ خلفاء کے مقابلہ میں علم بغاوت بلند کرتا رہتا تھا اس عدل وانصاف کا حال سنا تو سب نے اکٹھا ہو کر صاف کہہ دیا کہ اب اس شخص سے جنگ کرنا ہمارے لئے مناسب نہیں۔لیکن تمام خاندان بنوامیہ دفعۃً برہم ہوگیا، اولاً تو جائیداد کا ہاتھ سے نکل جانا خود اشتعال کا سبب بنا، اس کے ساتھ قدیم تفوق وامتیاز نے ان کے لئے مساوات کو بالکل خواب فراموش بنادیا تھا اس لئے انھوں نے اپنے آپ کو تمام مسلمانوں کے ساتھ ایک سطح پر دوش بدوش کھڑا دیکھا تو ان کو اپنی سخت ذلت محسوس ہوئی۔اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے اس طرز عمل سے ان لوگوں کو یقین ہوگیا تھا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے پہلے خلفائے بنوامیہ نے جو روش اختیار کر رکھی تھی وہ شرعاً ناجائز اور عدل وانصاف کے خلاف تھی۔اس لئے اس خاندان کو اپنے پورے سلسلۂ خلافت کا دامن داغدار نظر آتا تھا چنانچہ اس خاندان کے مختلف افراد نے مختلف طریقوں سے خود حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے سامنے اس کا اظہار کیا۔

ایک دن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے تمام مروانی خاندان کو جمع کر کے کہا کہ ''بنی مروان تم کو بہت سے حصے بہت سی عزتیں اور بہت سی دولت ملی تھی اور میں خیال کرتا ہوں کہ تمام امت کا نصف یا ثلث مال تمہارے قبضہ میں آگیا تھا'' سب نے یہ سن کر خاموشی اختیار کی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے کہا کہ ''جواب دو'' سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ ''جب تک ہمارا سر ہمارے دھڑ سے الگ نہ ہو جائے ہم اپنے آباء واجداد کی نہ تکفیر کر سکتے ہیں اور نہ اپنی اولاد کو محتاج بنا سکتے ہیں''۔

ایک دن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ہشام بن عبدالملک کے سامنے گزشتہ مظالم کا ذکر کر رہے تھے، ہشام بے اختیار بول اٹھا کہ خدا کی قسم ہم نہ اپنے آباء واجداد پر عیب لگا سکتے ہیں اور نہ اپنی قوم میں اپنی عزت کو برباد کر سکتے ہیں۔

اسی طرح ایک موقع پر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے سامنے بہت سی لونڈیاں پیش کی جارہی تھیں، اتفاق سے عباس بن الولید بن عبدالملک بھی اس موقع پر موجود تھا اور جب کوئی دلفریب لونڈی سامنے سے گذرتی تھی تو کہتا تھا کہ اے امیر المومنین! اس کو خود لے لیجئے'' جب اس نے بار بار اس فقرے کا اعادہ کیا تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا کیا تم مجھے زنا کی ترغیب دیتے ہو؟ عباس وہاں سے اٹھا اور خاندان کے چند افراد سے کہا کہ ''ایسے شخص کے دروازے پر کیوں بیٹھے ہو جو تمھارے آباء واجداد کو زانی کہتا ہے''۔

ان اسباب سے تمام مروانی خاندان نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے اس عادلانہ طرزِ عمل کو نہایت ناپسندیدگی کے ساتھ دیکھا اور مختلف طریقوں سے روکنا چاہا، عمر بن الولید بن عبدالملک نے ان کو ایک نہایت سخت خط لکھا، جس کا خلاصہ یہ ہے :

''تم نے گذشتہ خلفاء پر عیب لگایا ہے، اور ان کی اور ان کی اولاد کی دشمنی سے ان کے مخالف روش اختیار کی ہے، تم نے قریش کی دولت اور ان کی میراث کو ظلم وعدوان سے بیت المال میں داخل کر کے قطع رحم کیا ہے، اے عبدالعزیز کے بیٹے خدا سے ڈرو اور اس کا خیال کرو کہ تم نے ظلم کیا ہے، تم نے منبر پر بیٹھنے کے ساتھ ہی اپنے خاندان کو ظلم کے لئے مخصوص کرلیا، اس خدا کی قسم جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سی خصوصیات کے ساتھ مختص کیا تم اپنی اس حکومت میں جس کو تم مصیبت کہتے ہو خدا سے بہت دور ہو گئے، اپنی خواہشوں کو روکو اور یقین کرو کہ تم ایک جبار کے سامنے اور اس کے قبضہ میں ہو اور اس حالت پر چھوڑے نہیں جاسکتے''۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اگرچہ سراپا حلم تھے تاہم اس معاملہ میں انھوں نے کسی قسم کی نرمی اختیار نہیں کی، اور اس کو نہایت سخت جواب لکھا، جس کا ترجمہ یہ ہے:

''مجھے تمہارا خط ملا، اور جیسا تم نے لکھا ہے میں ویسا ہی جواب دوں گا، تمہاری ابتدائی حالت یہ ہے کہ تمہاری ماں بنانہ سکون کی لونڈی ہے، جو حمص کے بازاروں میں ماری ماری پھرتی تھی اور شراب کی دوکانوں میں جایا کرتی تھی، اس کو ذبیان بن ذبیان نے مسلمانوں

کے مال غنیمت سے خریدا اور تمہارے باپ کو ہدیۃً دیا، اسی سے تم پیدا ہوئے، تو کس قدر بری ہے ماں، اور کس قدر بُرا ہے بچہّ، اس کے بعد تم نشوونما پا کر ایک معاند اور ظالم ہوئے، تمہارا خیال ہے کہ میں ظالموں میں سے ہوں، میں نے تم کو اور تمہارے خاندان کو خدا کے مال سے جس میں غرباء، مساکین اور بیواؤں کا حق ہے محروم کر دیا، لیکن مجھ سے زیادہ ظالم اور مجھ سے زیادہ خدا کے عہد کو چھوڑ دینے والا وہ شخص ہے، جس نے تم کو بچپن اور سفاہت کی حالت میں مسلمانوں کی ایک چھاونی کا افسر مقرر کیا، اور تم اپنی رائے کے موافق ان کے معاملات کا فیصلہ کرتے رہے، اس تقرر کا بجز محبت پدری کے اور کوئی مقصد نہ تھا، پس پھٹکار ہو تجھ پر اور پھٹکار ہو تیرے باپ پر، قیامت کے دن تمہارے کس قدر مدعی ہوں گے، اور تمہارا باپ اپنے مدعیوں سے کیوں کر نجات پائے گا۔

مجھ سے زیادہ ظالم اور مجھ سے زیادہ خدا کے عہد کو چھوڑنے والا وہ شخص ہے، جس نے حجاج کو عرب کے خمس پر مقرر کیا، جو حرام خون بہاتا تھا اور حرام مال لیتا تھا۔ مجھ سے زیادہ ظالم اور مجھ سے زیادہ خدا کے عہد کا چھوڑنے والا وہ شخص ہے، جس نے قرہ بن شریک جیسے اجڈ بدو کو مصر کا عامل مقرر کیا، جس نے راگ باجا، لہو ولعب اور شراب خوری کی اجازت دی، مجھ سے زیادہ ظالم اور خدا کے عہد کو چھوڑنے والا وہ شخص ہے جس نے عرب کے خمس پر عالیہ بربریہ کا حصہ مقرر کیا۔ اگر مجھے فرصت ہوتی تو میں تجھ کو اور تیرے خاندان کو روشن راستے پر لاتا، ہم نے مدتوں سے حق کو چھوڑ دیا، اگر تم فروخت کئے جاؤ اور تمہاری قیمت یتیموں، مسکینوں اور بیواؤں پر تقسیم کی جائے تو کافی نہ ہوگی، کیونکہ تم میں سب کا حق ہے، ہم پر سلام ہو خدا کا، سلام ظالموں کو نہیں پہونچتا"۔

ایک بار تمام خاندان نے ان کی خدمت میں ہشام بن عبدالملک کو اپنا وکیل بنا کر روانہ کیا، ہشام نے آ کر کہا کہ اے امیر المومنین! میں آپ کی خدمت میں آپ کے تمام خاندان کی طرف سے قاصد بن کر آیا ہوں، اور ان کے دل کی بات کہتا ہوں، وہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ اپنی

زیر حکومت چیزوں سے متعلق اپنے طریقہ پر عمل کیجئے، لیکن ان کے قدیم حقوق کو قائم رہنے دیجئے، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا کہ: اگر تمہارے سامنے ایک معاملہ کے متعلق دو دستاویز پیش کئے جائیں جن میں ایک حضرت معاویہؓ کا لکھا ہو، اور ایک عبدالملک کا تو تم دونوں میں سے کس پر عمل کرو گے؟ ہشام نے کہا جو مقدم ہوگا اس پر عمل کریں گے، اب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا تو میں کتاب اللہ کو سب سے مقدم پاتا ہوں، اور میں اسی پر ہر اس شخص کو اور ہر اس چیز کو جو میرے زیر حکومت ہے، یا میرے پہلے خلفاء کے زیر حکومت تھی، چلانے کی کوشش کروں گا، اس پر سعید بن خالد بن عمر بن عثمان نے کہا کہ جو چیزیں آپ کے زیر فرمان ہیں، ان پر حق وانصاف کے ساتھ حکومت کیجئے، لیکن گذشتہ خلفاء کی برائی یا بھلائی کو اپنے حال پر رہنے دیجئے، اور یہ آپ کے لئے کافی ہوگا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا کہ اگر ایک شخص چند چھوٹے بڑے بچے چھوڑ کر مرجائے، اور بڑے لڑکے، چھوٹے بچوں کی دولت خود صرف کر ڈالیں اور چھوٹے بچے تمھارے سامنے ان کے طرز عمل کی شکایت کریں، تو تم کیا کرو گے؟ خالد نے کہا میں ان کے تمام حقوق واپس دلاؤں گا حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا میرے نزدیک بہت سے خلفاء اور ان کے اتباع (بعد کے لوگوں) نے لوگوں پر زبردستی کی، اور جب میں خلیفہ ہوا، تو ان لوگوں نے مجھ سے دادرسی چاہی، اور میں نے اس کے سوا کوئی تدبیر نہیں دیکھی کہ قوی سے لے کر ضعیف کو واپس دلاؤں'' خالد اس موثر تقریر کو سن کر بول اٹھا خدا امیر المومنین کو توفیق دے۔

ایک بار تمام خاندان کے لوگ ان کے دروازے پر جمع ہوئے، اور ان کے صاحب زادے عبدالملک سے کہا کہ، یا تو ہمیں باریابی کی اجازت دلواؤ یا خود ہمارا پیغام امیر المومنین تک پہنچادو انھوں نے پیغام پہنچانے پر ہامی بھرلی، تو سب نے کہا کہ ان سے پہلے جو خلفاء تھے وہ ہم کو عطیہ دیتے تھے، اور ہمارے مراتب کا لحاظ رکھتے تھے، لیکن تمہارے باپ نے ہم کو بالکل محروم کردیا، انھوں نے جا کر یہ پیغام سنایا، تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا کہ جا کر

کہدو کہ میرا باپ کہتا ہے کہ اگر میں اپنے خدا کی نافرمانی کروں تو قیامت کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔

پھر سب نے آخری تدبیر یہ کی کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی پھوپھی کو ان کی خدمت میں بھیجا، وہ آئیں اور کہا کہ تمہارے قرابت دار شکایت کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ تم نے ان سے غیر کی دی ہوئی روٹی چھین لی'' حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ بولے ''میں نے ان کا کوئی حق نہیں روکا'' وہ بولیں کہ ''سب لوگ اس کے متعلق گفتگو کرتے ہیں اور مجھے خوف ہے کہ تمہارے خلاف بغاوت نہ کردیں'' حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا کہ ''اگر میں قیامت کے سوا کسی دن سے ڈروں، تو اللہ تعالیٰ مجھے اس کی برائیوں سے نہ بچائے'' اس کے بعد ایک اشرفی، گوشت کا ایک ٹکڑا اور ایک انگیٹھی منگوائی، اور اشرفی کو آگ میں ڈال دیا، جب وہ خوب سرخ ہوگئی تو اس کو اٹھا کر گوشت کے ٹکڑے پر رکھدیا، جس سے وہ بھن گیا، اب پھوپھی کی طرف مخاطب ہوکر'' کہا کہ اپنے بھتیجے کے لئے اس قسم کے عذاب سے پناہ نہیں مانگتیں؟''۔

دوسری روایت میں ہے کہ انھوں نے کہا کہ ''اے پھوپھی! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو ایک نہر چھوڑ کر دیا، پھر ایک شخص (ابوبکرؓ) اس نہر کا مالک ہوا، جس نے اس میں کسی قسم کا تغیر نہیں کیا پھر ایک دوسرا شخص (عمرؓ) اس نہر کا مالک ہوا اور اس نے اس سے ایک چھوٹی سی نہر نکالی، اس کے بعد اور لوگوں نے اس سے متعدد نہریں نکالیں، یہاں تک کہ اس میں ایک قطرہ پانی نہ رہا اور وہ بالکل خشک ہوگئی، خدا کی قسم اگر میں زندہ رہا تو تمام نہروں کو پاٹ کر پہلی نہر کو جاری کردوں گا''۔

اگرچہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ پر ان شورشوں اور ان سفارشوں کا کوئی اثر نہیں ہوا، تاہم انھوں نے مختلف اخلاقی طریقوں سے اپنے خاندان کی ناراضی کو کم کیا، ایک بار سلیمان ابن عبدالملک کا صاحب زادہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی جاگیر کی واپسی کا مطالبہ کیا، اور آستین سے ایک تحریر نکالی، جس کو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے پڑھ کر کہا کہ یہ زمین کس کی

تھی، اس نے کہا حجاج کی، بولے تو مسلمان اس کے سب سے زیادہ مستحق ہیں، اس نے کہا اے امیر المومنین! ''آپ میری دستاویز کو واپس کر دیجئے'' بولے کہ اگر تم خود اس کو نہ لائے ہوتے تو میں اس کو تم سے نہ مانگتا، لیکن اب جب کہ تم خود اس کو لائے ہو تو میں تم کو اجازت نہ دوں گا کہ بطریق باطل اس کے ذریعہ سے مطالبہ کرو یہ سن کر وہ صاحبزادہ رو پڑا۔

ایک دن چند مروانیوں کو اپنے یہاں روک رکھا اور باورچی سے کہہ دیا کہ کھانے میں جلدی نہ کرنا، دن چڑھ گیا تو یہ لوگ بھوک سے بیتاب ہو گئے، اور باورچی سے کھانا کا تقاضا کیا، اس نے ان کو ستو اور کھجوریں کھلائیں، جب وہ لوگ ان چیزوں کو پیٹ بھر کے کھا چکے تو باورچی کھانا لایا، لیکن ان لوگوں نے کھانے سے انکار کیا، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے بار بار اصرار کیا، لیکن ان لوگوں نے کہا کہ اب ہم کھا ہی نہیں سکتے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے کہا تو پھر آگ میں کیوں گھستے ہو؟ یعنی جب اس قدر سادہ غذا انسان کے لئے کافی ہو سکتی ہے تو وہ پیٹ بھرنے کے لئے ناجائز ذریعہ معاش کیوں اختیار کرتا ہے، یہ کہہ کر خود روئے اور لوگوں کو بھی رلایا۔ (سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ۳۱ تا ۳۷)

مذکورہ تمام حالات اور واقعات سے واضح ہو رہا ہے کہ اقامت عدل وانصاف ہر مؤمن کی شان ہونی چاہئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام تابعین تبع تابعین اکابر واسلاف سب نے اپنے پختہ عزم اور حق پسندی سے عدل وانصاف کی آبرو محفوظ کی اور آنے والی نسلوں کے لئے بہترین نمونہ چھوڑ گئے۔ اور اپنے آپ کو عرش کے سایہ کا مستحق بنایا۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں بھی عدل وانصاف کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور حشر کے دن عرش کے سایہ میں جگہ نصیب ہو۔

O

جوانی کی عبادت کی قدر ومنزلت

(۲) وَشَابٌّ نَشَاءَ فِيْ عِبَادَةِ رَبِّهٖ :

میدان محشر کی سخت دھوپ اور گرمی میں جن سات قسم کے لوگوں کوعرش کے سائے میں جگہ دی جائے گی اس میں سے دوسرا وہ نوجوان ہے جس نے عنفوان شباب سے ہی عبادات اوراحکامات خداوندی کی پیروی میں زندگی گزاری ہو۔

جوانی کی عبادت اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے اور ایسے جوان کی اللہ رب العزت کے یہاں بڑی قدر و قیمت ہے اس لئے کہ اس کے دل میں بہت سی امنگیں اور خواہشات ہوتی ہیں نیک دل نوجوان ان میں سے غلط تقاضوں پر قابو حاصل کر کے عبادت الٰہی میں مشغول رہتا ہے۔

اسی طرح جوان آدمی کی ہمت بھی جوان ہوتی ہے وہ اپنی قوت وہمت کے زور سے نفس کے ناجائز تقاضوں اور خواہشات کا مقابلہ کرتا ہے جس کی وجہ سے نفس مجلّٰی ومذکی رہتا ہے جو کامیابی وکامرانی کا ذریعہ بنتا ہے، ایسے نوجوان کو اللہ تعالیٰ روز قیامت اپنی رحمت سے عرش عظیم کے سائے میں جگہ مرحمت فرمائیں گے۔

جن پاک نفوس نے اپنے دور شباب (جوانی) کو عبادت الٰہی میں گذارا اور عرش عظیم کے سائے کے مستحق بنے ان میں سے چند حضرات کا تذکرہ برائے افادہ پیش ہے۔

نبی رحمت ﷺ کا دور شباب اور عبادت الٰہی

نبی اکرم ﷺ عہد طفولیت سے ہی بت پرستی اور مشرکانہ اعمال سے محفوظ رہے۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ سے نکاح ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں مزید انقلاب آیا، آپؐ کو خلوت گزینی کی رغبت ہوئی اور غار حراء میں شب و روز رہنے لگے، اور فطرت سلیمہ جس طرح کی راہنمائی کرتی خدائے واحد کی عبادت کرتے مگر ایک خلش سینہ میں

ایسی تھی جو اس حالت میں بھی بے چین ہی رکھتی تھی کہ میری قوم اور دنیائے انسانی کس طرح خدائے واحد کو چھوڑ کر صنم پرستی اور مظاہر پرستی میں مبتلا ہے، اور اخلاق کی دنیا کس قدر الٹ گئی ہے آخر وہ کون سا نسخہ کیمیا ہے جو اس حالت میں انقلاب پیدا کر دے اور سچی خدا پرستی اور نیک عملی کا دور دورہ ہو جائے۔

یہی جذبات و تاثرات تھے جو قلب مضطرب میں موجزن تھے اور خلوت کدۂ حراء میں انہی کیفیات کے ساتھ ذات اقدس مصروف یاد الٰہی رہتی اور جب کئی کئی دن اس طرح گذر جاتے تو کبھی حضرت خدیجہؓ حاضر ہو کر آذوقۂ حیات دے جاتیں، اور کبھی خود بنفس نفیس جا کر چند روز کا سامان خورد و نوش لے آتے اور حراء میں پھر مشغول عبادت ہو جاتے، چنانچہ چودہ صدیاں گذرنے کے بعد آج بھی حراء اس کیف آگیں منظر کا شاہد ہے۔ جس کا لطف اس نے برسوں اٹھایا، مشہور محدث و مورخ حافظ عماد الدین ابن کثیر نے اس واقعہ کو ان مختصر الفاظ میں بڑے حسن و خوبی کے ساتھ بیان کیا ہے :

وَإِنَّمَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْـهِ وَسَلَّـمَ يُـحِـبُّ الْخَلاءَ وَالْإِنْـفِرَادَ عَلٰى قَوْمِهٖ لَمَّا يَرَاهُمْ عَلَيْـهِ مِنَ الـضَّلَالِ الْمُبِيْنِ مِنْ عِبَـادَةِ الْاَوْثَـانِ وَالسُّجُوْدِ لِلاَصْـنَامِ وَقَوِيَتْ مَحَبَّةٌ لِلْخَلْوَةِ عِنْـدَ مُقَـارَبَةِ اِيْـحَاءِ اللّٰـهِ إِلَيْـهِ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلامُهٗ عَلَيْهِ.

(البدایہ والنہایہ ۳/۵)

اور رسول اللہ ﷺ (دور شباب میں) خلوت پسند ہو گئے تھے اور قوم سے الگ تنہائی میں وقت گذارتے تھے کیونکہ وہ قوم کی اس کھلی گمراہی کو دیکھ کر کہ وہ بت پرستی میں مبتلا اور بتوں کے سامنے سجدہ گذار ہے کڑھتے تھے اور جوں جوں آپ پر وحی الٰہی کے نزول کا زمانہ قریب ہوتا جاتا تھا (مشیت الٰہی سے) اسی قدر آپ کی خلوت پسندی میں اضافہ ہوتا جاتا صلوات اللہ وسلامہ علیہ اس ذات اقدس پر خدا کی رحمتیں اور سلامتی نازل ہو۔

بہر حال یہی وہ خلوت کدۂ عبادت تھا جہاں ذات اقدس پر سب سے پہلے وحی الٰہی کا نزول ہوا اور اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ زندگی کی نشو و نما ہو رہی تھی اور آپ

عبادت خداوندی میں منہمک رہ کر زندگی بسر کر رہے تھے اور پوری زندگی رب کریم کی ایسی عبادت کی کہ دیکھنے والے آپ کے طرز عبادت کو دیکھ کر رشک کرتے رہے دعا ہے اللہ تعالیٰ یہی ذوق عبادت ہم سب کو بھی عطا فرمائے۔ آمین۔

اللہ کی عبادت اور مشرکانہ اعمال سے حفاظت

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ابتداء عمر سے ہی اللہ کی عبادت اور ریاضت میں منہمک رہے اور پوری زندگی اللہ کی عبادت اور اخلاق رذیلہ سے حفاظت کے ساتھ گذاری۔ مشہور سیرت نگار ابن ہشام فرماتے ہیں :

فَشَبَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَاللّٰهُ تَعَالٰی یَکْلَؤُهٗ یَحْفَظُهٗ وَیَحُوْطُهٗ مِنْ اَقْذَارِ الْجَاهِلِیَّةِ لِمَا یُرِیْدُ بِهٖ کَرَامَتَهٗ وَرِسَالَتَهٗ حَتّٰی بَلَغَ اَنْ کَانَ رَجُلاً اَفْضَلَ قَوْمِهٖ مُرُوَّةً وَاَحْسَنَهُمْ خُلُقاً وَاَکْرَمَهُمْ حَسَباً وَاَحْسَنَهُمْ جِوَاراً وَاَعْظَمَهُمْ حِلْماً وَاَصْدَقَهُمْ حَدِیْثاً وَاَعْظَمَهُمْ اَمَانَةً وَاَبْعَدَهُمْ مِنَ الْفُحْشِ وَالاَخْلَاقِ الَّتِیْ تُدْنَسُ الرِّجَالُ تَنَزُّهاً وَتَکَرُّماً حَتّٰی مَا اَسْمُهٗ اِلَّا الاَمِیْنُ لِمَا جَمَعَ اللّٰهُ فِیْهِ مِنَ الاُمُوْرِ الصَّالِحَةِ.

(سیرۃ ابن ھشام ۱/۱۸۶ دارالمنار قاھرہ)

پس رسول اللہ ﷺ اس حال میں جوان ہوئے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت اور نگرانی فرماتے تھے اور جاہلیت کی تمام گندگیوں سے آپ ﷺ کو پاک اور محفوظ رکھتے تھے، اس لئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارادہ ہو چکا تھا کہ آپ ﷺ کو نبوت ورسالت اور ہر قسم کی عزت وکرامت سے سرفراز فرمائے یہاں تک کہ آپ ﷺ مرد کامل ہوگئے، مروت وحسن خلق، حسب ونسب، حلم بردباری، راست بازی اور صداقت وامانت میں سب سے بڑھ گئے اور اخلاق رذیلہ سے انتہائی درجہ دور ہوگئے، یہاں تک کہ آپ ﷺ امین کے نام سے مشہور ہوگئے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے اندر تمام اعمال صالحہ اور اخلاق حسنہ ودیعت فرمادیے تھے۔

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ نبی کریمؐ سے عرض کیا گیا کہ آپ نے کبھی کسی بت کی پوجا کی ہے؟ آپؐ نے فرمایا نہیں، پھر پوچھا گیا کہ کبھی آپؐ نے شراب پی ہے؟ آپؐ نے فرمایا نہیں، اور یہ بھی فرمایا کہ میں ہمیشہ سے ان چیزوں کو کفر سمجھتا تھا، اگرچہ مجھ کو کتاب اور ایمان کا علم نہ تھا۔ (سیرۃ مصطفیٰ ۱/۱۱۸)

زید بن حارث فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں جب مشرکین بیت اللہ کا طواف کرتے تو اساف اور نائلہ (دو بتوں کے نام تھے) کو چھوتے تھے۔ ایک بار میں نے آپؐ کے ساتھ بیت اللہ کا طواف کیا، جب ان بتوں کے پاس سے گذرا تو میں نے ان کو چھوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو منع کیا، میں نے اپنے دل میں کہا کہ دیکھوں تو سہی ان کو چھونے سے کیا ہوتا ہے۔ اس لئے دوبارہ ان کو چھوا آپؐ نے پھر ذرا سختی سے منع فرمایا، کیا تم کو منع نہیں کیا تھا۔ زیدؓ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم اس کے بعد کبھی کسی بت کو ہاتھ نہیں لگایا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو نبوت ورسالت سے سرفراز فرمایا اور آپؐ پر اپنا کلام اتارا۔ (سیرۃ مصطفیٰ ۱/۱۱۸)

نوجوان غلام اور ملازم کی عبادت

امام غزالیؒ نے مکاشفۃ القلوب میں ایک جوان غلام اور ملازم کی عبادت کا تذکرہ اس طرح فرمایا ہے کہ ایک شخص نے ایک نوجوان غلام خریدا تو غلام نے یہ شرطیں لگائیں۔ (۱) جب فرض نماز کا وقت ہو جائے گا تو آپ مجھے فرض نماز پڑھنے سے منع نہیں کر سکتے (۲) میں آپ کا کام صرف دن دن میں کرسکتا ہوں رات میں کام سے آزاد رہوں گا (۳) میرے لئے ایک الگ کمرہ ہوگا جس میں میرے علاوہ کوئی دوسرا داخل نہیں ہوسکتا۔

مالک نے تینوں شرطیں منظور کرلیں اور گھر لے جا کر غلام سے کہا کہ گھر میں تم خود دیکھ لو کون سا کمرہ تم کو پسند ہے تو اس غلام نے گھر کے تمام کمروں میں سے ایک نہایت خراب ویران سا مرمت کے لائق کمرہ پسند کیا۔ مالک نے کہا ایسا خراب کمرہ کیا کروگے۔ تو غلام نے

جواب دیا کہ اللہ کے یہاں خراب اور ویران کمرہ بستان اور باغیچہ ہے اب وہ غلام دن میں مالک کی خدمت کرتا تھا، اور رات میں اس کمرہ میں تنہائی میں اللہ کی عبادت کرتا تھا۔ایک رات مالک نے سوچا کہ دیکھتا ہوں یہ اس کمرہ میں تنہائی میں کیا کرتا ہے۔تو دیکھا وہ نوجوان سجدہ میں پڑا ہوا ہے، اوراس کے سر پر آسمان وزمین کے درمیان نور کی قندیل لٹک رہی ہے، اور وہ یہ کہہ رہا تھا: ''اے بارالہا ! اگر مالک کی خدمت لازم نہ ہوتی تو میں رات ودن تیری ہی عبادت میں لگا رہتا'' پھر مالک نے اپنی بیوی کو یہ منظر دکھایا مالک اوراس کی بیوی یہ منظر دیکھ کر خوب روئے اور کہا اللہ کے واسطے ہم نے تم کو آزاد کردیا تاکہ تم سارا وقت حقیقی آقا کی عبادت میں گذار سکو، اس کے بعد فوراً نوجوان نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی: ''اے اللہ! یہ میرے اور آپ کے درمیان ایک راز تھا، اب راز فاش ہوجانے کے بعد اس دنیا میں زندہ رہنا نہیں چاہتا''۔

یاصاحب السر إن السر قد ظهر ☆ ولا ارید حیاتی بعد ما اشتهر

اے رازداں بیشک اب راز دوسروں پر ظاہر ہوچکا ہے ☆ اور میں راز ظاہر ہوجانے کے بعد زندہ رہنا نہیں چاہتا

پھر نوجوان نے کہا اے بارالہٰ! اب تو مجھ کو موت دیدے چنانچہ اسی وقت اس کی جان پرواز کرگئی۔انا للّٰہ وانا إلیه راجعون۔(مکاشفۃ القلوب امام غزالی/۳۹ بحوالہ انوار ہدایت/۲۳۵-۲۳۶)



مسجد سے دلی تعلق اور لگاؤ

(۳) وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ بِالْمَسَاجِدِ :

تیسرا شخص جسے عرش عظیم کا سایہ نصیب ہوگا وہ ہے جس کا دل مسجد میں لگا رہتا ہو اور اسے ہر وقت یہ فکر دامن گیر رہتی ہو کہ کہیں نماز قضا نہ ہو جائے اور جماعت چھوٹ نہ جائے غرضیکہ ایسا نمازوں کا عاشق و محافظ کہ کوئی نماز قضا نہیں ہونے دیتا ہر نماز کو وقت پر ادا کرنے کا اہتمام اور دوسری نماز کا انتظار کرتا رہتا ہے تو ایسے بندے کو بھی اللہ تعالیٰ میدان محشر کی سخت دھوپ اور تیز گرمی و پریشانی میں عرش کا سایہ عطا فرمائے گا تا کہ نمازوں کے اس محافظ اور اللہ کے گھر سے تعلق رکھنے والے کو کسی قسم کی تکلیف و مشقت برداشت نہ کرنا پڑے۔قبل اس کے کہ بعض ایسے حضرات کی زندگی کے نقوش پیش جائیں جنھوں نے نمازوں کی حفاظت کی اور ہر نماز کو وقت پر ادا کر کے عرش کے سائے کے مستحق بن گئے مسجد سے تعلق اور دل لگانے کے فوائد ملاحظہ فرمائیں:

مسجد سے تعلق اور دل لگانے کے فوائد

مسجد اسلام کی عمارت کے ان اہم ترین ستونوں میں سے ہے جس پر اسلامی معاشرہ کی تعمیر کا دارومدار ہے۔اس لئے ایک مؤمن کو مسجد سے تعلق اور لگاؤ رکھنا نہایت ضروری ہے۔

مسجد سے تعلق رب کریم سے مضبوط رشتہ کی علامت ہے، مسجد آنے جانے اور اس کی طرف ہر وقت رجوع کرنے میں بے شمار فوائد ہیں۔ایک موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَلَا اَدُلُّكُمْ عَلَى مَا يَمْحُوْ اللّٰهُ بِهِ الْـخَـطَايَا وَيَرْفَعُ بِهِ الدَّرَجَاتِ، قَـالُوْا: بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ! قَالَ : اِسْبَاغُ الْوُضُوْءِ عَلَى الْمَكَارِهِ

کیا میں تم لوگوں کو وہ چیز نہ بتلاؤں جس سے اللہ تعالیٰ گناہوں کو معاف کرتے ہیں اور درجات بلند فرماتے ہیں، صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! ضرور بتلایئے، آپ نے ارشاد فرمایا کہ

وَكَثْرَةِ الْخُطَاءِ إِلَى الْمَسَاجِدِ وَانْتِظَارَ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الصَّلَاةِ فَذٰلِكُمُ الرِّبَاطُ.	تکلیف کے وقت وضو کا اچھی طریقہ سے کرنا اور مسجدوں کی جانب کثرت سے چل کر جانا اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا یہ گناہوں سے محفوظ رہنے کے قلعے ہیں۔
(مسلم شریف ۱/۲۷۱، ترمذی شریف ۱/۱۸)	

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک ہے :

مَنْ تَطَهَّرَ فِيْ بَيْتِهٖ ثُمَّ مَضىٰ اِلَىٰ بَيْتٍ مِّنْ بُيُوْتِ اللّٰهِ لِيَقْضِيَ فَرِيْضَةً مِّنْ فَرَائِضِ اللّٰهِ كَانَتْ خُطُوَاتِهٖ إِحْدَاهَا تَحُطُّ خَطِيْئَةً وَالْاُخْرٰى تَرْفَعُ دَرَجَةً.	جس شخص نے اپنے گھر میں وضو کیا پھر اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر کی طرف روانہ ہوا تا کہ وہاں اللہ کے فرائض میں سے کسی فریضے کو ادا کرے تو اس کے قدموں میں سے ہر ایک قدم پر ایک گناہ معاف کیا جاتا ہے اور دوسرے قدم پر ایک درجہ بلند ہوتا ہے۔
(مسلم شریف ۱/ ۲۳۵)	

مسجد آنے جانے والوں کو قیامت کے دن کامل ومکمل نور کی بشارت دی گئی ہے۔ نبی اکرمؐ کا فرمان عالی ہے :

بَشِّرِ الْمَشَّائِيْنَ فِي الظُّلَمِ إِلَى الْمَسَاجِدِ بِالنُّوْرِ التَّامِّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ. (أبوداؤد ۱/۸۳، ترمذی ۱/۵۳)	تاریکیوں میں مسجد جانے والوں کو قیامت کے دن کامل ومکمل نور کی بشارت دے دیجئے۔

مسجد سے تعلق رکھنے اور لگاؤ رکھنے والوں کو دنیا میں بھی رات کی تاریکی میں اللہ کی طرف سے روشنی نصیب ہوئی۔ ایک حدیث شریف میں ہے:

عَنْ اَنَسٍؓ اَنَّ رَجُلَيْنِ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ خَرَجَا مِنْ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ اَحَدُهُمَا عَبَّادُ بْنُ بِشْرٍ وَاَحْسِبُ الثَّانِيُ اُسَيْدُ بْنُ حُضَيْرٍ فِيْ لَيْلَةٍ	حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ صحابہ کرام میں سے دو آدمی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے سخت تاریک رات میں نکل پڑے ان میں سے ایک عباد بن بشرؓ اور دوسرے

مُظْلِمَةٍ وَمَعَهُمَا مِثْلُ الْمِصْبَاحَيْنِ يُضِيْئَانِ بَيْنَ اَيْدِيْهِمَا فَلَمَّا افْتَرَقَا صَارَمَعَ كُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا وَاحِدٌ حَتّٰى أَتَى أَهْلَهُ. (بخاری شریف ۶۶/۱ حدیث : ۴۶۰، ۵۱٤/۱ حدیث : ۳۵۱۰، ۵۳۷/۱ حدیث : ۳۶۶۸)

اسید بن حضیرؓ تھے توان دونوں کے ساتھ دونور کی روشنی چراغ اور ٹارچ کی چمک کی طرح چمکتی ہوئی دونوں کے آگے آگے چلنے لگی اور جب دونوں نے الگ الگ راستہ اختیار کرلیا تو دونوں میں سے ہرایک کے ساتھ ایک ایک روشنی چلتی رہی یہاں تک کہ دونوں اپنے اپنے گھر پہونچ گئے۔

مسجدوں سے تعلق رکھنے والوں اوراس کی طرف رجوع کرنے والوں کے لئے مذکورہ احادیث مبارکہ میں بہت سے فوائد بیان کئے گئے ہیں اس لئے ہرمسلمان کواللہ کے گھروں کے ساتھ رابطہ اور تعلق قائم کرنے کی کوشش کرنا چاہئے، تاکہ اللہ رب العزت سے اس کا رشتہ مضبوط ہواور آخرت کے سخت اور پریشان کن لمحات میں سکون وچین نصیب ہو۔

مسجد سے دل لگانے کے فوائد کے بعد مسجد کے اعمال میں سے اہم اور کلیدی عمل (نماز) کا تذکرہ بھی ملاحظہ فرمائیں تاکہ اس عظیم الشان عبادت کی اہمیت دل میں جاگزیں ہواور پوری زندگی اس کی حفاظت میں گذرے۔

نماز کی اہمیت حضرات انبیاءؑ کی نظر میں

اسلام میں توحید کے اقرار کے بعد سب سے اہم مطالبہ نماز کا ہے خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دستور تھا کہ اسلام میں ہر نئے داخل ہونے والے سے توحید کا اقرار لینے کے بعد آپ ﷺ نماز کا عہد لیا کرتے تھے۔ اور پوری زندگی اس عظیم عبادت کو اپنی زندگی میں باقی رکھنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے، غالبًا یہی وہ سبق تھا جس کے پیش نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا سے جاتے جاتے بار بار امت کو نماز کی وصیت اور تاکید فرمائی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری تھے :

اَلصَّلٰوۃُ وَمَا مَلَکَتْ أَیْمَانُکُمْ، اَلصَّلٰوۃُ وَمَامَلَکَتْ أَیْمَانُکُمْ.

دیکھو! نماز کو مضبوطی سے تھامے رہنا اور غلاموں باندیوں (اور بیویوں) کے ساتھ حسن سلوک کا خیال رکھنا۔

حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوۃ والسلام نے بھی اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی:

رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ. (ابراھیم آیت: ٤٠)

میرے پروردگار! مجھے نماز قائم کرنے والا بنا اور میری نسل میں سے بھی۔

اور اقامت صلوٰۃ (نماز قائم کرنے) ہی کے مقصد عظیم کے لئے اپنے اکلوتے فرزند حضرت اسمٰعیل اور ان کی والدہ کو عرب کی بے آب و گیاہ سرزمین میں بسانا آپ نے گوارہ کیا۔ قرآن کریم میں ان کی یہ عرض داشت محفوظ ہے:

رَبَّنَا إِنِّیْ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوْا الصَّلٰوۃَ. (ابراھیم آیت: ٣٧)

میرے پرور دگار! میں نے اپنی کچھ نسل تیرے معظم و محترم گھر کے نزدیک بن کھیتی والی وادی میں بسادی ہے، اے ہمارے پروردگار! تاکہ وہ نماز قائم کریں۔

مذکورہ آیات سے اندازہ لگایئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنی نسل کا نمازوں سے وابستہ رہنا اور نمازیں قائم کرنا کتنا عزیز تھا کہ اس غرض کے لئے اپنی بیوی اور بچے کو بیت اللہ کے پاس ایک بے آب و گیاہ وادی میں بسایا تاکہ سکون واطمینان کے ساتھ اللہ کی عبادت کرنے کی عادت بنے۔

اسی طرح اللہ کے دیگر انبیاء کو بھی نماز عزیز اور محبوب تھی اور سب نے اپنی اپنی امتوں کو نماز کی دعوت دی لیکن بعد میں پیدا ہونے والے ان کے نالائق اخلاف نے نمازوں سے بے تعلقی اور بے پروائی اختیار کی اور اپنی نفسانی خواہشات کے غلام بن گئے۔

نماز ترک کرنے کی وجہ سے پہلی امتوں میں فساد آیا

سورۂ مریم میں تمام مشاہیر انبیاء ورسل کا نماز کے ساتھ شغف بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا گیا ہے :

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِ هِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوْا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوْا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا.

(سورۂ مریم آیت : ۵۹)

پھر پیدا ہوئے ان کے بعد ایسے ناخلف جنھوں نے کھویا اور برباد کیا نماز کو اور غلام ہو گئے نفسانی خواہشات کے سو یہ عنقریب دیکھیں گے خرابی۔

اس آیت میں نماز کی اس تاثیر کی طرف اشارہ ہے کہ وہ شہوات ومنکرات سے آدمی کی حفاظت کرتی اور صلاح وتقویٰ کی راہ پر اس کو ثابت قدم رکھتی ہے، اور اس کو کھودینے (بالکل نہ پڑھنے یا اچھی طرح نہ پڑھنے) کی وجہ سے آدمی شہوات کا بندہ بن جاتا ہے اور بالآخر تباہی وبربادی کے گڑھے میں گرنا اس کے لئے ضروری ہے۔ گویا امتوں کا صلاح وفساد بڑی حد تک نمازوں کے قائم کرنے اور ان کو ضائع کردینے کا نتیجہ ہوتا ہے، اس لئے ہر امتی کو نمازوں کے قیام کا اہتمام کرنا چاہیے تاکہ تباہی اور بربادی سے حفاظت ہوسکے۔

ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار کی فضیلت

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍوؓ قَالَ : صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْمَغْرِبَ فَرَجَعَ مَنْ رَجَعَ وَعَقَبَ مَنْ عَقَبَ، فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهُ ﷺ فَقَالَ : هٰذَا رَبُّكُمْ فَتَحَ بَاباً مِنْ أَبْوَابِ السَّمَاءِ يُبَاهِيْ بِكُمُ الْمَلَائِكَةَ، يَقُوْلُ عِبَادِيْ قَضَوْا

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے مغرب کی نماز پڑھی نماز کے بعد جسے (اپنے گھروں کو) واپس جانا تھا وہ چلا گیا اور جو بعد میں بیٹھا رہا وہ رہ گیا، حضور ﷺ تشریف لائے اور فرمایا یہ تمہارے رب نے ایک دروازہ آسمان کے دروازوں میں سے کھولا ہے وہ تمہاری وجہ سے ملائکہ پر فخر کر رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ

فَرِيْضَةً وَهُمْ يَنْتَظِرُوْنَ الْأُخْرىٰ. (حياة الصحابه ۵۷۹/۳ عربی)

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ الثَّقَفِيِّ قَالَ: خَرَجَ مُعَاوِيَةُ حِيْنَ صَلَّى الظُّهْرَ فَقَالَ: مَكَانَكُمْ حَتّٰى آتِيَكُمْ فَخَرَجَ عَلَيْنَا وَقَدْ تَرَدّٰى، فَلَمَّا صَلَّى الْعَصْرَ قَالَ: أَلاَ أُحَدِّثُكُمْ شَيْئاً فَعَلَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ: فَإِنَّهُمْ صَلُّوْا مَعَهُ الْأُوْلٰى ثُمَّ جَلَسُوْا فَخَرَجَ عَلَيْهِمْ فَقَالَ: مَا بَرِحْتُمْ بَعْدُ؟ قَالُوْا: لاَ، فَقَالَ: لَوْ رَأَيْتُمْ إِلىٰ رَبِّكُمْ فَتَحَ بَاباً مِنَ السَّمَاءِ فَأَرىٰ مَجْلِسَكُمْ مَلاَئِكَتَهُ يُبَاهِيْ بِكُمْ وَأَنْتُمْ تَرْقُبُوْنَ الصَّلَاةَ؟

(حياة الصحابه ۵۷۹/۳،

مجمع الزوائد ۳۷/۲،

المعجم الكبير ۳۶۳/۱۹)

میرے بندوں نے ایک فریضہ ادا کرلیا اور دوسرے فریضہ کا انتظار کررہے ہیں۔

حضرت ابوامامہ ثقفیؒ نے بیان کیا کہ حضرت معاویہؓ جب ظہر کی نماز پڑھ چکے تو باہر نکلے اور فرمایا تم سب اپنی جگہ بیٹھے رہنا جب تک میں تمہارے پاس واپس آؤں، اس کے بعد وہ ہمارے پاس آئے اور انہوں نے چادر اوڑھ رکھی تھی پھر جب عصر کی نماز پڑھ لی تو فرمایا کہ میں تم سے ایسی چیز نہ بیان کروں جس کو رسول اللہ ﷺ نے کیا ہے، ہم نے کہا کہ ضرور بیان کیجئے، فرمایا صحابہ کرام نے آپ ﷺ کے ساتھ پہلی نماز یعنی ظہر پڑھی پھر بیٹھے رہے اس کے بعد آپ ﷺ ان کے پاس آئے اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اب تک نہیں گئے؟ صحابہ نے عرض کیا نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم کاش دیکھ لیتے کہ تمہارے رب نے آسمان کا ایک دروازہ کھولا اور تمہاری مجلس اپنے ملائکہ کو دکھلائی تمہاری وجہ سے اللہ پاک فخر کرتا ہے اس وجہ سے کہ تم نماز کا انتظار کر رہے تھے۔

المعجم الکبیر ۱۹/۳۶۳ میں مذکورہ روایت حضرت ابوامیہ ثقفی سے بعض الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ موجود ہے۔

اب تک نماز کے متعلق ترغیب وترہیب کی باتیں عرض کی گئیں آخر میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام ؓ کو جو عشق وشغف تھا اور نمازوں میں ان کی جو حالت اور کیفیت ہوا کرتی تھی اس کی بھی کچھ جھلک ان اوراق میں دکھائی جائے تا کہ ترغیب وترہیب سے بھی جن دلوں پر کوئی اثر نہ ہوا ہو، مقبولین کے احوال کا تذکرہ ان کو بھی متأثر کرے کیونکہ مشہور ہے قول سے زیادہ تاثیر وطاقت صادقین کے احوال وکیفیات میں ہوتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو نماز کے ساتھ تعلق اور عشق

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کے ساتھ جو تعلق خاطر تھا اور قلب مبارک اور روح منور کو جو خاص کیفیت نماز میں حاصل ہوتی تھی، اس کا بہت کچھ اندازہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور ارشاد ''قُرَّةُ عَيۡنِيۡ فِيۡ الصَّلٰوةِ'' (میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے) سے کیا جا سکتا ہے۔ نیز احادیث میں ہے کہ جب نماز کا وقت قریب ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلالؓ سے ارشاد فرماتے :

قُمۡ يَا بِلاَلُ ! اَرِحۡنِيۡ بِالصَّلٰوةِ . بلالؓ! اٹھو نماز کا بندوبست کر کے میرے دل کو چین وآرام پہونچاؤ۔

حضرت بلالؓ سے آپ کا یہ فرمانا اس لئے تھا کہ وہ مسجد نبوی کے مؤذن ہونے کے ساتھ ساتھ آجکل کی اصطلاح میں گویا مہتمم جماعت بھی تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق نماز کا اس سے بھی زیادہ واضح اور مضبوط رشتہ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ ہجرت سے پہلے جب طائف میں آپ کو لرزہ خیز ایذائیں پہونچائی گئیں، اسی طرح غزوۂ احد میں دشمنوں کے ہاتھ سے آپ سخت زخمی ہوئے تو دوسروں کے درخواست کرنے پر بھی آپ نے ان کے حق میں بددعا نہیں فرمائی۔ بلکہ ان کی ہدایت اور انجام بخیر ہی کے واسطے دعا کی، لیکن غزوۂ احزاب میں جب دشمنوں نے ایک دن آپ کو عصر کی نماز

پڑھنے کی مہلت نہ دی اور آپ کی وہ نماز قضاء ہوگئی تو اتنی سخت بددعا زبان مبارک سے نکلی کہ ایسی بددعا کسی دوسرے موقع پر کسی بڑے سے بڑے موذی کے حق میں بھی آپ نے نہیں فرمائی ہوگی۔ حدیث میں ہے آپ نے فرمایا :

شَغَلُوْنِیْ عَنْ صَلٰوۃِ الْوُسْطٰی صَلٰوۃِ الْعَصْرِ مَلَأَ اللّٰہُ بُیُوْتَھُمْ وَقُبُوْرَھُمْ نَاراً. (المعجم الکبیر ۱۱/۳۰٤، حدیث ۱۲۰٦۹)

ان لوگوں نے مجھے عصر کی نماز نہیں پڑھنے دی، اللہ! ان کے گھروں اور ان کی قبروں کو آگ سے بھر دے۔

متعدد روایات میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اس قدر نماز پڑھتے تھے کہ پاؤں مبارک پر ورم آجاتا تھا ظاہر ہے نماز کے ساتھ کسی خاص عشق وشغف ہی کا یہ نتیجہ تھا۔

نیز چند صحابہ کرامؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رات میں اس طرح سے نوافل پڑھتے ہوئے دیکھا ہے کہ پہلی رکعت میں پوری سورۂ بقرہ پڑھی اور وہ بھی اس طرح کہ جہاں رحمت کی کوئی آیت آتی وہاں ٹھہر کر اللہ تعالیٰ سے رحمت کی دعا کرتے، اور جہاں کوئی قہر وعذاب کی آیت آتی تو ٹھہر کر اس سے پناہ مانگتے پھر آپ نے اس طویل قیام کے بقدر ہی طویل رکوع اور سجدہ کیا اور پھر دوسری رکعت میں اسی طرح سورۂ آل عمران پڑھی اور پھر تیسری اورتھی رکعت میں سورۂ نساء اور سورۂ مائدہ پڑھیں، گویا اس طرح چار رکعتوں میں آپ نے سوا چھ پارے پڑھے اور اس طرح لمبی لمبی قرأت اور رکوع سجود کے ساتھ اطمینان سے نماز ادا فرمائی۔

آپ کی نماز کی یہ کیفیت دراصل اسی "قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ" والی باطنی حالت کا ایک ظاہری کرشمہ تھا، کاش اللہ تعالیٰ ہم محروموں کو بھی اس طرح کی عبادت کا کوئی ذرہ نصیب فرمادے۔ (نماز کی حقیقت/۸۴-۸۶)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نماز کے ساتھ عشق وتعلق

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے نواسہ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے متعلق منقول ہے کہ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو ایسے بے حس وحرکت ہو جاتے تھے کہ گویا ایک لکڑی ہے جو زمین میں گاڑ دی گئی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خنجر سے زخمی کیا گیا تو ایک وقت آپ پر کچھ غشی کی سی کیفیت طاری تھی اس حالت میں کسی نے آپ کو نماز پڑھنا یاد دلایا تو فرمایا:

"نَعَمْ لاَحَظَّ فِی الاِسْلاَمِ لِمَنْ لاَصَلٰوۃَ لَہٗ".	ہاں نماز ضرور پڑھنی ہے جس نے نماز نہیں پڑھی اس کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں۔

پھر آپ نے اسی حال میں نماز ادا کی اور آپ کے زخم سے خون کا فوارہ جاری تھا۔

اور اسی موقعہ پر بعض کتابوں میں حضرت فاروق اعظمؓ سے یہ درد انگیز اور حسرت آمیز الفاظ بھی نقل کیے گئے ہیں:

لاَحَظَّ فِی الْحَیَاتِ وَقَدْ عَجَزْتُ عَنِ الصَّلٰوۃِ .	جب میں نماز پڑھنے سے بھی عاجز ہو گیا ہوں تو زندہ رہنے میں کوئی لطف نہیں۔

حضرت جابرؓ غزوہ ذات الرقاع کا واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطرہ کے موقع پر رات کو پہرہ دینے کے واسطے دو صحابیوں کو متعین فرمایا ان میں سے ایک مہاجر تھے اور دوسرے انصاری ان حضرات نے ڈیوٹی کو نصفا نصف تقسیم کرلیا یعنی کہ ہر ایک آدھی آدھی رات پہرہ دے اور دوسرا اس وقت میں سوئے اس تقسیم کے مطابق انصاری صحابی نے رات کے پہلے حصہ میں پہرہ دینا شروع کیا اور مہاجر ساتھی سو گئے۔ پھر انصاری بزرگ نے بجائے خالی جاگنے کے یہ بہتر سمجھا کہ نماز میں مشغول رہ کر یہ وقت گذارا جائے، چنانچہ انھوں نے نماز شروع کردی دشمن کی جانب سے کوئی آیا اور اس نے آدمی کھڑا دیکھ کر تیر مارا اور جب یہاں کوئی حرکت نہ ہوئی اور نہ کوئی آواز نکلی تو یہ سمجھ کر کہ نشانہ خطا ہو گیا دوسرا اور اسی طرح تیسرا تیر مارا اور یہاں ہر تیر ان کے جسم میں پیوست ہوتا رہا اور یہ اس کو جسم سے نکال نکال کر پھینکتے رہے اور نماز میں مشغول رہے، پھر اطمینان سے رکوع وسجدہ کیا اور نماز پوری کر کے مہاجر ساتھی کو جگایا انھوں نے اٹھ کر دیکھا تو ایک چھوڑ تین تین جگہ سے انصاری ساتھی کے بدن سے خون جاری ہے انھوں نے ماجرا پوچھا اور کہا تم نے مجھے شروع ہی سے کیوں نہیں جگا دیا، ان انصاری بزرگ نے جواب دیا میں نے ایک سورہ (سورۂ کہف) شروع کر رکھی تھی، میرا دل نہ چاہا کہ اس کو ختم

کرنے سے پہلے رکوع کروں لیکن پھر مجھے خطرہ ہوا کہ اگر اس طرح پے در پے تیر لگتے رہے اور میں مر گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہرہ داری کی جو خدمت میرے سپرد کی ہے وہ فوت ہو جائے گی، اس خیال سے میں نے رکوع کر دیا اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا تو سورہ ختم کرنے سے پہلے رکوع نہ کرتا اگرچہ مر ہی کیوں نہ جاتا۔ (ابوداؤد شریف ۲۶/۱)

حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک دن اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے ایک پرندہ اڑا اور کچھ دیر باغ کے اندر چکر لگاتا رہا، ان کی نگاہ اس پر پڑی اور اس کے ساتھ ساتھ تیرتی رہی خیال کے اس بٹ جانے کی وجہ سے نماز میں سہو ہو گیا یاد نہ رہا کہ یہ کون سی رکعت ہے، فوراً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میری نماز میں یہ خلل اس باغ ہی کی وجہ سے پڑا ہے میں اب اس کو اپنی ملکیت سے نکالتا ہوں اور راہ خدا میں دیتا ہوں، جس مد میں بھی آپ مناسب سمجھیں اس کو لگا دیں، کتب سیر سے معلوم ہوتا ہے حضرت ابوطلحہؓ کا یہ باغ کئی لاکھ درہم کی مالیت کا تھا۔ (حیاۃ الصحابہ عربی ۵۴۴/۳)

اسی طرح کا ایک واقعہ ایک دوسرے صحابی کا بھی ہے جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں پیش آیا تھا۔ وہ ایک دن اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے، کھجوروں کے پکنے کا خاص موسم تھا، خوشے کھجوروں کے بوجھ سے جھکے پڑتے تھے، ان کی نگاہ خوشوں پر پڑی اور وہ منظر ان کو بھلا معلوم ہوا خیال کے اُدھر لگ جانے سے ان کو بھی سہو ہو گیا اور یاد نہیں رہا کہ کتنی رکعت پڑھ چکے ہیں نماز میں بس اتنا سا خلل آ جانے سے اس قدر صدمہ ہوا کہ اسی وقت طے کر لیا کہ اس باغ کو اپنے پاس نہیں رکھوں گا، چنانچہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ماجرا ظاہر کر کے عرض کیا اس باغ کو راہ خدا میں خرچ کرنا چاہتا ہوں، اب یہ آپ کے حوالے ہے، اس کو جو چاہے کریں اور جہاں چاہیں لگا دیں، چنانچہ انھوں نے پچاس ہزار درہم میں اس کو فروخت کر کے اس رقم کو دینی کاموں میں صرف فرما دیا۔ (حیاۃ الصحابہ عربی ۵۴۴/۳)

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کا مشہور واقعہ ہے کہ جب وہ کافروں کے ہاتھوں میں گرفتار ہو گئے، اور ایک مدت تک قید میں رکھنے کے بعد قتل کرنے کے واسطے ان کو مقتل میں لایا گیا، تو سولی پر چڑھانے کے وقت ان سے پوچھا گیا کہ تمھاری اگر کوئی خاص تمنا ہو تو کہو انھوں نے کہا! ہاں ایک تمنا ہے اگر تم پوری کرسکو اور وہ صرف یہ ہے کہ دنیا سے جانے کا وقت ہے اور اللہ کے دربار کی حاضری قریب ہے اگر تم مہلت دو تو دو رکعت نماز پڑھ لوں چنانچہ مہلت دی گئی اور انھوں نے بڑے اطمینان اور کامل خشوع کے ساتھ دو رکعت نماز ادا کی اور فرمایا کہ اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ تم لوگ سمجھو گے کہ موت کے ڈر سے دیر کرنا چاہتا ہے تو دو رکعت اور پڑھتا۔ اس کے بعد سولی پر لٹکا دیئے گئے رضی اللہ عنہ وارضاہٗ۔ (بخاری شریف ۱/۵۸۵ حدیث: ۳۹۸۹)

کتب حدیث وسیر کے یہ مشہور و معلوم واقعات ہیں ان سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اسلام کے ان فرزندوں کو نماز کے ساتھ کتنا اعلیٰ درجہ کا عشق و تعلق تھا۔ اور یہ تو وہ برگزیدہ ہستیاں تھیں جنہوں نے براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اکتساب فیض کیا تھا۔ اور دوسری دینی روحانی کیفیات کی طرح حضور ﷺ کی **قرة عيني في الصلوة** والی کیفیت کو اپنے باطن میں اتار لیا تھا۔ اس لئے ان کا یہ حال ہونا ہی چاہیئے تھا، لیکن بعد کے زمانوں میں بھی بہت سے اللہ کے بندے ایسے گذرے ہیں جو نماز کے ساتھ اسی طرح کا عشق و شغف رکھتے تھے، مضمون کی طوالت کے خوف سے اب ہم اس سلسلے کو یہیں ختم کرتے ہیں۔ زندہ اور بیدار دل رکھنے والوں کے لئے مذکورہ واقعات ہی کافی ہیں۔ **رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلوٰةِ وَمِنْ ذُرِّیَتِیْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءَ.** دعا ہے اللہ تعالیٰ اپنے مقدس گھروں (مساجد) سے ہمارا اور ہماری نسلوں کا رشتہ ہمیشہ قائم رکھے اور نماز باجماعت کی ادائیگی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

آپس میں محبت و تعلق

(۴) وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِي اللّٰهِ اِجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ :

حدیث شریف کے اس جز میں عرش الٰہی کے سائے کا مستحق ان دو اشخاص کو قرار دیا گیا ہے جو آپس میں ایک دوسرے سے صرف اللہ کی خاطر محبت کرتے ہوں اور جب دونوں کی ملاقات ہوتی ہو تو اللہ کی رضا کی خاطر ہوتی ہو اسی طرح جب جدا ہوتے ہوں تو اللہ کی رضا کی خاطر جدا ہوتے ہوں۔ان دونوں کی آپسی محبت واخوت کا سبب کوئی دنیوی غرض یا مفاد نہ ہو بلکہ صرف اللہ کے واسطے محبت ہو تو ایسے افراد کو بھی اللہ تعالی میدانِ محشر کی سخت دھوپ اور تپش سے بچا کر عرش کے سائے میں جگہ مرحمت فرمائے گا۔

اس طرح کی محبت واخوت اللہ کو بہت محبوب وپسندیدہ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں آپس میں انس ومحبت کو خاص ایمانی صفات میں شمار کیا گیا ہے،اور کیوں نہ ہو جبکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انس ومحبت کا ایک پیکر تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر خصلت بلاشبہ ایمانی خصلت ہے اور لائق تقلید ہے، چنانچہ اس سلسلہ کے ارشادات نبوی ملاحظہ فرمائیں:

آپس میں میل ومحبت اللہ کے محبوب بننے کا سبب

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رضي الله عنه قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ: يَقُوْلُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالىٰ وَجَبَتْ مَحَبَّتِيْ لِلْمُتَحَابِّيْنَ فِيَّ، وَلِلْمُتَجَالِسِيْنَ فِيَّ وَلِلْمُتَزَاوِرِيْنَ فِيَّ وَلِلْمُتَبَاذِلِيْنَ فِيَّ. (مؤطا امام مالک /۳۷۸، مشکوۃ /۴۲۶)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے کہ میری محبت واجب ہے ان لوگوں کے لئے جو باہم میری وجہ سے محبت کریں،اور میری وجہ اور میرے تعلق سے کہیں جڑ کر بیٹھیں اور میری وجہ سے باہم ملاقات کریں اور میری وجہ سے ایک دوسرے پر خرچ کریں۔

اللہ تعالیٰ کے جن بندوں نے اپنی محبت وچاہت اور اپنے ظاہری اور باطنی تعلق کو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے تحت کر دیا ہے اوران کا حال یہ ہے کہ وہ جس سے محبت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے لئے کرتے ہیں جس کے پاس بیٹھتے ہیں اللہ کے لئے بیٹھتے ہیں جس سے ملتے ہیں اللہ کے لئے ملتے ہیں، جو کچھ ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے کرتے ہیں بیشک اللہ کے یہ بندے اس کے مستحق ہیں کہ اللہ کی خاص رضا اور محبت ان کو نصیب ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کے اس بشارتی منشور کا اعلان فرمایا ہے کہ میرے ان بندوں کے لئے میری محبت واجب اور مقرر ہو چکی ہے میں ان سے محبت کرتا ہوں ان سے راضی ہوں اور وہ میرے محبوب اور پسندیدہ بندے ہیں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ رَجُلاً زَارَأَخاً لَهُ فِي قَرْيَةٍ أُخْرىٰ فَاَرْصَدَ اللّٰهُ لَهُ عَلىٰ مَدْرَجَتِهِ مَلَكاً، قَالَ : اَيْنَ تُرِيْدُ ؟ قَالَ: أُرِيْدُ أَخاً لِیْ فِي هٰذِهِ الْقَرْيَةِ، قَالَ: هَلْ لَکَ مِنْ نِعْمَةٍ تَرُبُّهَا، قَالَ : لاَ، غَيْرَ أَنِّي اَحْبَبْتُهُ فِي اللّٰهِ، قَالَ: فَاِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيْکَ بِاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَبَّکَ كَمَا اَحْبَبْتَهُ فِيهِ.

(رواہ مسلم ۲/۳۱۷)

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ ایک شخص اپنے بھائی سے جو دوسری ایک بستی میں رہتا تھا ملاقات کے لئے چلا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی راہ گذر پر ایک فرشتہ کو منتظر بنا کے بٹھا دیا (جب وہ شخص اس مقام سے گذرا تو) فرشتہ نے اس سے پوچھا تمہارا کہاں کا ارادہ ہے؟ اس نے کہا! میں اس بستی میں رہنے والے اپنے ایک بھائی سے ملنے جارہا ہوں، فرشتہ نے کہا کیا اس پر تمہارا کوئی احسان ہے اور کوئی حق نعمت ہے جس کو تم پورا اور پختہ کرنے کے لئے جارہے ہو اس بندہ نے کہا نہیں، میرے جانے کا باعث اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے مجھے اس بھائی سے محبت ہے (یعنی

بس اسی للٰہی محبت کے تعلق اور تقاضے سے میں اس
کی زیارت اور ملاقات کے لئے جارہاہوں)
فرشتہ نے کہا کہ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ مجھے اللہ
تعالیٰ نے تمہارے پاس یہ بتانے کے لئے بھیجا
ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرتا ہے جیسا کہ تم اللہ
کے لئے اس کے بندہ سے محبت کرتے ہو۔

اس حدیث شریف میں جو واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے بظاہر کسی اگلی امت کے کسی فرد کا ہے، اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کبھی کبھی فرشتے اللہ کے حکم سے کسی غیر نبی کے پاس بھی آسکتے ہیں اور اس سے اس طرح کی باتیں دو بدو کر سکتے ہیں حضرت جبرئیل علیہ السلام کا اللہ کے حکم سے حضرت مریمؑ کے پاس آنا اور ان سے باتیں کرنا قرآن مجید میں صراحت سے مذکور ہے حالانکہ معلوم ہے کہ حضرت مریم صدیقہؑ نبیہ نہ تھیں۔

اس واقعہ کی اصل روح اور اس کے بیان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص مقصد اس حقیقت کو واضح کرنا ہے کہ اللہ کے کسی بندہ کا اپنے کسی بھائی سے اللہ کے لئے محبت کرنا اور اس للٰہی محبت کے تقاضے سے اس سے ملاقات کرنے کے لئے جانا ایسا عمل ہے جو اس محبت کرنے والے بندے کو اللہ تعالیٰ کا محبوب بنا دیتا ہے اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص فرشتے کے ذریعہ اس کو اپنی محبت کا پیغام پہونچاتا ہے، اور پھر اسی محبت کے نتیجہ میں میدان محشر میں اپنے مقبول بندوں کے ہمراہ عرش کے سائے میں جگہ عطا فرمائے گا۔

اللہ کیلئے محبت کرنے والوں کا قیامت کے دن خاص امتیاز

عَنْ عُمَرَؓ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : إِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ لَأُنَاساً مَا هُمْ بِأَنْبِيَاءَ

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے بندوں میں کچھ ایسے خوش نصیب بھی ہیں جو نبی یا شہید تو نہیں ہیں لیکن

وَلاَ شُهَدَاءَ يَغْبِطُهُمُ الْأَنْبِيَاءُ وَالشُّهَدَاءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِمَكَانِهِمْ مِنَ اللّٰهِ، قَالُوْا : يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ! تُخْبِرُنَا مَنْ هُمْ ؟ قَالَ : هُمْ قَوْمٌ تَحَابُّوْا بِرُوْحِ اللّٰهِ عَلىٰ غَيْرِ اَرْحَامٍ بَيْنَهُمْ وَاَمْوَالٌ يَتَعَاطَوْنَهَا فَوَاللّٰهِ اِنَّ وُجُوْهَهُمْ لَنُوْرٌ وَاِنَّهُمْ لَعَلىٰ نُوْرٍ لاَ يَخَافُوْنَ إِذَا خَافَ النَّاسُ وَلاَ يَحْزَنُوْنَ إِذَا حَزِنَ النَّاسُ وَقَرَأَ هٰذِهِ الْاٰيَةِ: "أَلاَ إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لاَ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُوْنَ".

(ابوداؤد شريف، مشكوة ٤٢٦/٢)

قیامت کے دن بہت سے انبیاء اور شہداء ان کے خاص مقام قرب کی وجہ سے ان پر رشک کریں گے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ا ہمیں بتلادیجئے کہ وہ کون بندے ہیں آپ نے فرمایا وہ لوگ ہیں جنھوں نے بغیر کسی رشتہ اور قرابت کے اور بغیر کسی مالی لین دین کے روح خداوندی کی وجہ سے باہم محبت کی، پس قسم ہے خدا کی ان کے چہرے قیامت کے دن نورانی ہوں گے بلکہ سراسر نور ہوں گے اور وہ نور کے منبروں پر ہوں گے اور عام انسانوں کو جس وقت خوف وہراس ہوگا اس وقت بے خوف اور مطمئن ہوں گے اور جس وقت عام انسان مبتلائے غم ہوں گے وہ اس وقت بے غم ہوں گے۔

اوراس موقع پر آپؐ نے یہ آیت پڑھی: ''اَلاَ اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لاَ خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلاَ ھُمْ یَحْزَنُوْنَ''. ''معلوم ہونا چاہئے جو اللہ کے دوست اور اس سے خاص تعلق رکھنے والے ہیں ان کو (قیامت کے دن) خوف وغم نہ ہوگا''۔

اس دنیا میں خونی رشتہ اور قرابت کی وجہ سے محبت وتعلق کا ہونا ایک ایسی عمومی اور فطری بات ہے جو انسانوں کے علاوہ عام جانوروں بلکہ درندوں میں بھی موجود ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص کسی کی مالی امداد کرتا ہے، اس کو ہدیے اور تحفے دیتا ہے تو اس میں اس محسن کی محبت پیدا ہو جانا بھی ایک ایسی فطری بات ہے جو کافروں، مشرکوں، فاسقوں اور فاجروں میں بھی پائی جاتی ہے، لیکن کسی رشتہ اور قرابت کے بغیر اور کسی مالی لین دین اور کسی ہدیے اور

تحفے کے بغیر محض اللہ کے دین کے تعلق سے کسی سے محبت کرنا ایک ایسی ایمانی صفت ہے جس کی اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑی قدر و قیمت ہے اور اس کی وجہ سے بندہ اللہ تعالیٰ کا خاص محبوب ومقرب بن جاتا ہے، اور قیامت میں اس پر اللہ تعالیٰ کی ایسی نوازشیں ہوں گی کہ انبیاء اور شہداء بھی اس پر رشک کریں گے۔

اس کا مطلب یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ لوگ درجہ اور مرتبہ میں انبیاء وشہداء سے افضل اور بلندتر ہوں گے۔ کیونکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کم درجے کے کسی آدمی کو کسی خاص اچھی حالت میں دیکھ کر اس سے اونچے درجے والوں کو بھی اس پر رشک آنے لگتا ہے یہ بات عقل ومنطق کے لحاظ سے اگرچہ بہت سوں کو مستبعد معلوم ہوگی لیکن واقعات کی دنیا میں بکثرت ایسا ہوتا رہتا ہے اس لئے جو کچھ کہا گیا ہے یہ زبردستی کی تاویل نہیں ہے بلکہ واقعی حقیقت ہے۔

یہ وہ بندگان خدا ہوں گے جن کے مقام قرب پر انبیاء وشہداء کو رشک آئے گا حدیث میں ان کا تعارف ان الفاظ میں کرایا گیا ہے: هُمْ قَوْمٌ تَحَابُّوْا بِرُوْحِ اللّٰهِ۔ "یہ وہ بندگان خدا ہوں گے جنھوں نے اس دنیوی زندگی میں اللہ کے دین کے تعلق سے باہم محبت والفت کی"۔

حدیث کے آخری حصہ میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ کے دین کے تعلق سے باہم محبت کرنے والے ان بندگان خدا پر اللہ تعالیٰ کا ایک خاص الخاص انعام یہ ہوگا کہ قیامت کے دن جبکہ عام انسانوں پر خوف اور غم چھایا ہوگا، ان کے دلوں پر خوف اور غم کا کوئی اثر نہ ہوگا اور یہ بالکل مطمئن اور اللہ تعالیٰ کے خاص فضل وکرم سے شاداں وفرحاں ہوں گے۔ لَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ.

مؤمن محبت والفت کا مرکز ہو

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : اَلْمُؤْمِنُ مَأْلَفٌ وَلَا خَيْرَ فِيْمَنْ لَا يَأْلَفُ وَلَا يُؤْلَفُ.

(مسند أحمد۲/۴۰۰، مشکوۃ ۲/۴۲۵)

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مومن تو الفت ومحبت کا مرکز ہے اور اس آدمی میں کوئی بھلائی نہیں جو دوسروں سے الفت نہیں کرتا اور دوسرے اس سے الفت نہیں کرتے۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا بندۂ مومن کوانس ومحبت کا مرکز ہونا چاہئے کہ وہ خود دوسروں سے محبت کرے، اور دوسرے اس سے محبت کریں اور مانوس ہوں، اگر کسی شخص میں یہ بات نہیں ہے تو گویا اس میں کوئی خیر نہیں نہ وہ دوسروں کو کوئی نفع پہونچا سکے گا اور نہ دوسرے لوگ اس سے نفع اٹھا سکیں گے۔

اس حدیث میں ان خشک مزاج متقشف حضرات کے لئے خاص سبق ہے جو سب سے بے تعلق رہنے ہی کو دین کا تقاضہ سمجھتے ہیں، اسی وجہ سے وہ نہ خود دوسروں سے مانوس ہوتے ہیں اور نہ دوسروں کو اپنے سے مانوس کرتے ہیں، البتہ مومن کی یہ محبت والفت اور دوسروں سے مانوس ہونا اور ان کو اپنے سے مانوس کرنا سب اللہ ہی کے لئے اور اس کے احکام کے تحت ہونا چاہئے۔ مَحْيَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ .

اللہ کے لئے محبت اور اللہ کے لئے بغض

عَنْ أَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ : اِنَّ أَحَبَّ الْأَعْمَالِ إِلیٰ اللّٰہِ تَعَالٰی اَلْحُبُّ فِیْ اللّٰہِ وَالْبُغْضُ فِیْ اللّٰہِ.(أبوداؤد ۲/ ۶۳۲، مشکوۃ ۲/ ۴۲۷)

حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندوں کے اعمال میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب وہ محبت ہے جو اللہ کے لئے ہو، اور وہ بغض وعداوت ہے جو اللہ کے لئے ہو۔

کسی بندہ کا یہ حال ہوجانا کہ وہ صرف اللہ کے لئے محبت کرے، اور اللہ ہی کے لئے کسی سے بغض رکھے بلاشبہ بہت اونچا مقام ہے، اور ایمان کی مضبوط ترین دستاویز ہے۔

اللہ کیلئے محبت دراصل اللہ تعالیٰ کی تعظیم وتوقیر ہے

عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَؓ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَا اَحَبَّ عَبْدٌ عَبْداً لِلّٰہِ إِلاَّ

حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ جس بندہ نے بھی اللہ کے لئے کسی

اَکْرَمَ رَبَّهٗ عَزَّ وَجَلَّ.
(مسند أحمد، مشكوة ٢/٤٢٧)

بندہ سے محبت کی اس نے اپنے رب عزوجل ہی کی عظمت وتوقیر کی۔

اللہ کیلئے محبت کرنے والے عرش کے سائے میں

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : اِنَّ اللّٰهَ تَعَالىٰ يَقُوْلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ: اَيْنَ الْمُتَحَابُّوْنَ بِجَلاَلِي؟ اَلْيَوْمَ أُظِلُّهُمْ فِيْ ظِلِّيْ يَوْمَ لاَظِلَّ اِلاَّ ظِلِّيْ .
(مسلم شريف ٢/ ٣١٧)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ کہاں ہیں میرے وہ بندے جو میری عظمت وجلال کی وجہ سے آپس میں الفت ومحبت رکھتے تھے آج جبکہ میرے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہیں ہے میں اپنے ان بندوں کو اپنے سایہ میں جگہ دوں گا۔

اللہ تعالیٰ خبیر وبصیر ہے کائنات کا کوئی ذرہ اس کی نگاہ سے اوجھل نہیں ہے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ میرے وہ بندے کہاں ہیں.؟ دراصل استفہام واستفسار کے لئے نہ ہوگا بلکہ میدان حشر میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ پکار علی رؤس الاشہاد اس لئے بلند ہوگی کہ ان بندگان خدا کی یہ مقبولیت ومحبوبیت سارے اہل محشر اور تمام اولین وآخرین کے سامنے ظاہر ہوجائے، اور سب سن لیں اور دیکھ لیں کہ اللہ کے لئے محبت کرنے والوں کا مقام اور مرتبہ اللہ کے یہاں کیا ہے۔(مستفاد معارف الحدیث ۲/ ۱۹۶ تا، ۲۰۴)

آپس میں محبت کرنے والے نور کے منبروں پر

میدان محشر میں ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ جابجا نور کے روشن اور منور منبر قائم کردیئے جائیں گے جن پر وہ لوگ تشریف فرما ہوں گے جو آپس میں ایک دوسرے سے صرف اللہ کے واسطے تعلق رکھتے ہوں گے جن کی یہ حالت انبیاء اور شہداء کے لئے بھی قابل رشک ہوگی، ایک روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

اَلْـمُتَـحَــابُّـوْنَ فِـيْ جَلالِيْ لَهُمْ مَـنَـابِـرُ مِنْ نُوْرٍ يَغْبِطُهُمُ النَّبِيُّوْنَ وَالشُّهَدَاءُ.

(مشکوة شریف / ٤٢٦)

میری عظمت وجلال کی وجہ سے آپس میں تعلق ومحبت رکھنے والوں کے لئے قیامت میں نور کے ممبر ہوں گے جن پر انبیاء وشہداء بھی رشک کریں گے (یعنی ان کی تعریف کریں گے)

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان بندوں میں شامل فرمادے جو اللہ کے لئے آپس میں محبت کرتے ہیں اور اللہ ہی کے لئے باہم جڑتے اور جمع ہوتے ہیں۔



خوف خدا اور عفت و پاکیزگی

(۵) وَرَجُلٌ طَلَبَتْهُ ذَاتُ مَنْصَبٍ وَجَمَالٍ فَقَالَ إِنِّيْ أَخَافُ اللّٰهَ

اور پانچواں وہ شخص عرش الٰہی کے سائے کا مستحق ہوگا جس کو کوئی خوبصورت حسب ونسب والی عورت گناہ کی دعوت دے اور وہ ایسے موقع پر اللہ کا خوف اپنے دل میں بساتے ہوئے گناہ کرنے سے انکار کردے، تو ایسا مرد باخدا قیامت کی سخت دھوپ اور پریشانی میں عرش کے سایہ میں جگہ پائے گا۔

حدیث شریف کے اس جز میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معصیت اور گناہ کے ارتکاب کے وقت ہر امتی کو اپنے دل میں اللہ کا ڈر اور آخرت کی فکر پیدا کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے، اس لئے کہ خوف خدا اور آخرت کی فکر اگر کسی انسان میں پیدا ہو جائے تو گناہ اور معصیت سے اس کی زندگی پاک ہو جائے گی، اور اگر خدانخواستہ اس صفت کا حامل کبھی شیطانی داؤ پیچ کے ذریعہ کسی گناہ اور معصیت کے جال میں پھنس جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی اس گناہ سے حفاظت فرمائے گا اور عظیم اعزاز واکرام سے سرفراز فرمائے گا۔

قرآن کریم میں حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ بڑی تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام سخت آزمائش وابتلاء کی گھڑی میں

حضرت یوسفؑ کا جوانی کا عالم تھا حسن وخوبروئی کا کوئی پہلو ایسا نہ تھا جو ان کے اندر موجود نہ ہو، جمال ورعنائی کا پیکر، مجسم رخ روشن، شمس وقمر کی طرح منور، عصمت وحیا کی فراوانی سونے پر سہاگہ، اور پھر ہر وقت کا ساتھ، عزیز مصر کی بیوی دل پر قابو نہ پاسکی اور حضرت یوسفؑ پر پروانہ وار نثار ہونے لگی، مگر ابراہیمؑ کا پوتا اسحاق ویعقوب کا نور دیدہ، خانوادۂ نبوت کا چشم وچراغ اور منصب نبوت کے لئے منتخب، بھلا اس سے یہ کس طرح ممکن

تھا کہ ناپا کی اور فحش میں مبتلا ہو اور عزیز کی بیوی کے ناپاک عزائم کو پورا کرے، لیکن مصر کی اس آزاد عورت نے جب اس طرح جادو چلتے نہ دیکھا تو ایک روز بے قابو ہو کر مکان کا دروازہ بند کر دیا اور اصرار کرنے لگی کہ مجھے شاد کام کر، حضرت یوسفؑ کے لئے یہ وقت سخت آزمائش و ابتلاء کا تھا کیونکہ شاہی خاندان کی نوجوان عورت، شعلہ حسن سے لالہ رو، محبوب نہیں بلکہ عاشق، آرائش حسن و زینت کی بے پناہ نمائش، عشوہ طرازیوں کی بارش، ادھر یوسفؑ خود نوجوان حسین اور حسن کی خوبی سے آشنا، دروازے بند، رقیب کا خوف نہ ڈر، مالک خود ذمہ دار، مگر ان تمام سازگار حالات نے کیا حضرت یوسفؑ کے دل میں ایک لمحہ کے لئے بھی عزیز مصر کی بیوی کی حوصلہ افزائی کی؟ کیا اس کے دل نے قرار چھوڑ کر بے قراری اختیار کی؟ کیا نفس نے جہان قلب کو ایک لمحہ کے لئے بھی متزلزل کیا؟ نہیں ہرگز نہیں! بلکہ اس کے برعکس اس پیکر عصمت، امین نبوت، مہبط وحی الٰہی نے وہ ایسے دلکش اور محکم دلائل سے مصری عورت کو سمجھایا جو ایک ایسی ہستی سے ہی ممکن تھے، جس کی تربیت براہ راست آغوش الٰہی میں ہوئی ہو فرمایا ''یہ ناممکن ہے پناہ بخدا میں اور اس کی نافرمانی کروں جس کا اسم جلالت ''اللہ'' ہے اور وہ تمام کائنات کا مالک اور کیا میں اپنے اس مربی ''عزیز مصر'' کی امانت میں خیانت کروں جس نے غلام رہنے کے بجائے یہ حرمت وعزت عطا کی؟ اگر میں ایسا کروں تو ظالم ٹھہروں گا اور ظالموں کے لئے انجام و مآل کے اعتبار سے کبھی فلاح نہیں ہے''۔

مگر عزیز مصر کی بیوی پر اس نصیحت کا مطلق اثر نہ ہوا اور اس نے اپنے ارادہ کو عملی شکل دینے پر اصرار کیا تب حضرت یوسفؑ نے اپنے اس برہان رب کے پیش نظر جس کا ذکر وہ کر چکا تھا صاف انکار کر دیا، اسی کو قرآن کریم میں اس انداز سے بیان کیا گیا ہے :

وَرَا وَدَتْهُ الَّتِیْ هُوَ فِیْ بَیْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَ بْوَابَ وَقَالَتْ هَیْتَ لَکَ، قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْٓ اَحْسَنَ مَثْوَایَ، اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ	اور پھسلایا یوسف کو اس عورت نے جس کے گھر میں وہ رہتے تھے اس کے نفس کے معاملہ میں اور دروازے بند کر دیئے اور کہنے لگی آ میرے پاس آ، یوسفؑ نے کہا پناہ بخدا بلاشبہ وہ

الظّٰلِمُوْنَ، وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ، كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ، اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ.

(سورۂ یوسف : ۲۳)

(عزیز مصر) میرا مربی ہے جس نے مجھ کو عزت سے رکھا بلاشبہ ظالم فلاح نہیں پاتے اور البتہ اس عورت نے یوسفؑ سے ارادہ بد کیا اور وہ بھی ارادہ کرتے اگر اپنے پروردگار کے برہان کو نہ دیکھ لیتے اسی طرح ہوا تا کہ ہٹائیں ہم اس سے برائی اور بے حیائی کو، بیشک وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے ہے۔

بالآخر نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت یوسفؑ اس سے بچنے کے لئے دروازہ کی طرف بھاگے اور عزیز مصر کی بیوی نے ان کا پیچھا کیا، دروازہ کسی طرح کھل گیا، اور جب دونوں باہر آئے تو سامنے دونوں کا سربراہ عزیز مصر کھڑا نظر آیا عورت کا عشق ابھی خام تھا اس لئے وہ صحیح حال کہنے پر قادر نہ ہوئی اور اصل حقیقت کو چھپانے کے لئے غیض وغضب میں آکر کہنے لگی کہ ایسے شخص کی سزا قید خانہ یا دردناک عذاب کے علاوہ اور کیا ہوسکتی ہے جو تیرے اہل کے ساتھ ارادۂ بد رکھتا ہو؟ حضرت یوسفؑ نے اس کے مکروفریب کو سنا تو فرمایا کہ: ''یہ اس کا بہتان ہے اصل حقیقت یہ ہے کہ خود اس نے میرے ساتھ ارادۂ بد کیا تھا، مگر میں کسی طرح نہ مانا اور بھاگ کر باہر نکل جانا چاہتا تھا کہ اس نے پیچھا کیا اور سامنے آپ نظر آگئے تو اس نے یہ جھوٹ گھڑ لیا ہے''۔

عزیز مصر کی بیوی کا چچازاد بھائی ذکی فطین اور بہت ہوشیار تھا اس نے کہا کہ یوسفؑ کا کرتا دیکھنا چاہئے اگر وہ سامنے سے چاک ہے تو عورت راستباز ہے اور اگر پیچھے سے چاک ہے تو یوسف صادق القول ہے اور عورت جھوٹی ہے، دیکھا گیا تو پیراہن یوسفؑ پیچھے سے چاک تھا، عزیز مصر نے اصل حالت کو بھانپ لیا مگر اپنی عزت وناموس کی خاطر معاملہ کو ختم کرتے ہوئے کہا یوسفؑ سچے تم ہی ہو، اس عورت کے معاملہ سے درگذر کرو اور اس کو یہیں ختم کردو، اور پھر بیوی سے کہا یہ سب تیرا مکروفریب ہے اور تم عورتوں کا مکروفریب بہت ہی بڑا ہوتا ہے، بلاشبہ تو ہی خطا کار ہے لہٰذا اپنی اس حرکت بد کے لئے استغفار کر اور معافی مانگ۔

قرآن کریم اس واقعہ کو اس انداز سے بیان کرتا ہے :

قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ، قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ، وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ، فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ، اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ، يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِئِيْنَ. (سورۂ یوسف : ۲۵ تا ۲۹)

کہنے لگی اس شخص کی سزا کیا ہے جو تیرے اہل کے ساتھ برائی کا ارادہ رکھتا ہو مگر یہ کہ قید کر دیا جائے یا دردناک عذاب میں مبتلا کیا جائے، یوسفؑ نے کہا اسی نے مجھ کو میرے نفس کے بارے میں پھسلایا تھا اور فیصلہ کیا عورت ہی کے گھرانے کے ایک شخص نے کہ اگر پیراہن یوسف سامنے سے چاک ہے تو عورت سچی ہے اور یوسف جھوٹا اور اگر پیچھے سے چاک ہے تو عورت کاذب اور یوسف صادق، پس جب اس کی قمیص کو دیکھا تو پیچھے سے چاک تھا کہا بیشک اے عورت یہ تیرے مکروفریب سے ہے بلاشبہ تمہارا مکر بہت بڑا ہے یوسف تو اس معاملہ سے درگذر کر، اور اے عورت تو اپنے گناہ کی معافی مانگ! تو بلاشبہ خطا کار ہے۔

عزیز مصر نے اگر چہ فضیحت اور رسوائی سے بچنے کے لئے اس معاملہ کو یہیں پر ختم کر دیا مگر بات پوشیدہ نہ رہ سکی اور شدہ شدہ شاہی خاندان کی عورتوں میں یہ چرچا ہونے لگا کہ عزیز مصر کی بیوی کس قدر بے حیا ہے اپنے غلام پر ریجھ گئی، اتنے بڑے مرتبہ کی عورت اور غلام سے اختلاط کا ارادہ؟ آہستہ آہستہ یہ خبر عزیز کی بیوی تک بھی پہونچ گئی اس کو یہ طعن بیحد شاق گذرا اور اس نے چاہا کہ اس کا انتقام لے اور ایسا انتقام لے کہ جس پر وہ مجھ پر طعن کرتی ہیں اسی میں ان کو بھی مبتلا کیا جائے، یہ سوچ کر ایک روز اس نے شاہی خاندان اور عمائدین شہر کی عورتوں کو دعوت دی جب سب دسترخوان پر بیٹھ گئیں اور سب نے کھانا کھانے کے لئے

چھریاں ہاتھ میں لیں تا کہ اس سے گوشت یا ترنج جیسی چیزوں کو کاٹیں تو عزیز کی بیوی نے حضرت یوسفؑ کو حکم دیا کہ وہ باہر آئیں، حضرت یوسفؑ مالکہ کے حکم سے باہر نکلے تو تمام عورتیں جمال یوسفؑ کو دیکھ کر حیران رہ گئیں اور رخ انور کی تجلی و تابانی سے اس قدر متاثر ہوئیں کہ چیزیں کاٹنے کے بجائے چھریوں سے ہاتھ کاٹ لئے اور بے ساختہ کہنے لگیں کہ کون کہتا ہے یہ انسان ہے، بخدا یہ تو نور کا پتلا اور بزرگ فرشتہ ہے، یہ دیکھ کر عزیز کی بیوی بیحد محظوظ ہوئی اور اپنی کامیابی اور ان کی شکست پر فخر کرتے ہوئے کہنے لگی، یہی وہ غلام ہے جس کے عشق و محبت کے بارے میں تم نے مجھ کو مطعون کر رکھا ہے اور تیر ملامت کا نشانہ بنایا ہے، اب اس کو دیکھ کر یہ تمہارا کیا حال ہے؟ بتاؤ میرا عشق بیجا ہے یا بجا، اور تمہاری ملامت بے محل ہے یا برمحل؟

اس واقعہ کو قرآن کریم نے اپنے بلیغ انداز میں اس طرح بیان کیا ہے :

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ فَتٰهَا عَنْ نَّفْسِهٖ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا، اِنَّا لَنَرٰهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ، فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا وَّقَالَتْ اُخْرُجْ عَلَيْهِنَّ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَاهٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَا اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ، قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ. (سورۂ یوسف : ۳۰ تا ۳۲)

اور (جب اس معاملہ کا چرچا پھیلا) تو شہر کی بعض عورتیں کہنے لگیں دیکھو عزیز کی بیوی اپنے غلام پر ڈورے ڈالنے لگی کہ اسے رجھالے وہ اس کی چاہت میں دل ہار گئی، ہمارے خیال میں تو وہ صریح بدچلنی میں پڑگئی، پس جب عزیز کی بیوی نے ان عورتوں کے مکر کو سُنا تو ان کو بُلا بھیجا اور ان کے لئے مسندیں آراستہ کیں اور (دستور کے موافق) ہر ایک کو ایک ایک چھری پیش کردی، پھر یوسف علیہ السلام سے کہا ان سب کے سامنے نکل آؤ، جب یوسفؑ کو ان عورتوں نے دیکھا تو اس کی بڑائی کی قائل ہوگئیں، انھوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے اور (بے اختیار) پکار اٹھیں یہ تو انسان نہیں ہے ضرور ایک فرشتہ

ہے بڑے مرتبہ والا فرشتہ (عزیز کی بیوی) بولی
تم نے دیکھا یہ ہے وہ آدمی جس کے بارے
میں تم نے مجھے طعنے دیئے۔

عزیز کی بیوی نے یہ بھی کہا کہ بیشک میں نے اس کا دل اپنے قابو میں لینا چاہا تھا مگر وہ بے قابو نہ ہوا، مگر میں یہ کہے دیتی ہوں کہ اگر اس نے میرا کہنا نہ مانا تو یہ ہو کر رہے گا کہ وہ قید کیا جائے اور بے عزتی میں پڑے۔

حضرت یوسفؑ نے جب یہ سنا اور پھر عزیز کی بیوی اور سب عورتوں کے چلتّر اپنے بارے میں دیکھے تو اللہ تعالیٰ کے حضور میں دست بدعاء ہوئے اور کہنے لگے، خدایا! جس بات کی جانب یہ عورتیں بلا رہی ہیں اس کے مقابلہ میں مجھے قید میں رہنا کہیں زیادہ پسند ہے، اگر تو نے میری مدد نہ کی اور مجھ کو ان مکّاریوں سے نہ بچایا تو عجب نہیں کہ میں ان کی جانب مائل ہو جاؤں اور نادانوں میں سے بن جاؤں، حضرت یوسفؑ کی دعاء درگاہِ الٰہی میں قبول ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کے سب مکر و فریب دفع کر دیئے، اور کامیابی کا سہرا حضرت یوسفؑ ہی کے سر رہا۔

قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْ اِلَیْهِ، وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ کَیْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَیْهِنَّ وَاَکُنْ مِّنَ الْجٰهِلِیْنَ، فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ کَیْدَهُنَّ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ.

(سورۂ یوسف : ۳۳ – ۳۴)

یوسفؑ نے کہا اے میرے پروردگار جس بات کی طرف یہ مجھ کو بلاتی ہیں مجھے اس کے مقابلہ میں قید خانہ زیادہ پسند ہے، اور اگر تو نے ان کے مکر کو مجھ سے نہ ہٹا دیا اور میری مدد نہ کی تو میں کہیں ان کی جانب جھک نہ جاؤں اور نادانوں میں سے نہ ہو جاؤں، پس اس کے رب نے اس کی دعاء قبول کی اور اس سے ان کا مکر ہٹا دیا بیشک وہ سننے والا جاننے والا ہے۔

بہر حال عزیز مصر پر چونکہ حضرت یوسفؑ کی صداقت ظاہر ہو چکی تھی اس لئے اس نے نہ چاہا کہ حضرت یوسفؑ کو کسی قسم کی گزند پہنچائے لیکن اس کی بیوی پر عشق کا بھوت بری طرح سوار تھا جب اس نے خوشامد، چاپلوسی، مکر وحیا، کسی طرح سے مطلب براری نہ دیکھی تو دھمکیوں سے کام لینا شروع کیا اور جب کوہِ استقامت کو اس کے باوجود بھی مطلق حرکت نہ ہوئی۔

پھر عزیز نے یوسفؑ کی صداقتوں کی تمام نشانیاں دیکھنے اور سمجھ لینے کے باوجود اپنی بیوی کی فضیحت ورسوائی دیکھ کر یہ طے کر ہی لیا کہ یوسفؑ کو ایک مدّت کے لئے زندان (قید خانہ) میں بند کر دیا جائے تاکہ یہ معاملہ لوگوں کے دلوں سے محو ہو جائے اور یہ چرچے بند ہو جائیں، اس طرح حضرتِ یوسفؑ کو زندان جانا پڑا۔ (مستفاد قصص القرآن، ۲۹۲/۱ تا ۲۹۸)

الغرض حضرت یوسفؑ کا یہ جملہ "اَلسِّجْنُ أَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْ اِلَیْهِ" ان کے علوشان، تقرب الی اللہ، استقامت فی الدین، عزیمت فی الحق، اور رضا وتسلیم کا وہ بے نظیر مظاہرہ ہے جو ان جیسے اولوالعزم پیغمبروں کا ہی حصہ ہے۔

پھر حضرت یوسفؑ کو قید خانہ بھیج دیا گیا اور ایک پاک دامن کو خطا کار اور معصوم کو مجرم بنا دیا گیا تاکہ عزیز کی بیوی فضیحت ورسوائی سے بچ جائے، اور کوئی مجرم کو مجرم نہ کہہ سکے، اس واقعہ میں غور کیجئے! عزیز کی بیوی اور گھر کی مالکہ نے خوشامد اور چاپلوسی کی کون سی راہ اختیار نہیں کی جس سے حضرت یوسفؑ کو رام کیا جاسکے، لیکن حضرت یوسفؑ کے پائے استقامت میں ذرہ برابر بھی لغزش پیدا نہ ہوئی، انھوں نے ایسے نازک وقت میں اللہ کے سامنے دست بدعا ہو کر فرمایا کہ: "خدایا مجھے قید وبند سب کچھ منظور ہے مگر تیری نافرمانی منظور نہیں" حضرت یوسفؑ نے اللہ کو پکار کر ان بدقماش عورتوں پر یہ ظاہر کر دیا کہ جس طرح ان کے تمام مکر وفریب، خوشامد اور چاپلوسی ناکام رہیں اسی طرح ان کی یہ دھمکی اور ان کا عذاب بھی میرے ارادۂ حق اور خدارسی کو باطل نہیں کر سکتا اور میں تو جیل خانہ کو اس کے ارادۂ بد کے مقابلہ میں لاکھ بار ترجیح دوں گا۔

بالآخر حضرت یوسفؑ اس گناہ سے بچنے میں کامیاب ہوگئے اور بڑے اعزاز واکرام سے نوازے گئے اولوالعزم پیغمبر کی یہ ثابت قدمی تمام انسانوں کے لئے اور بالخصوص آج کے نوجوانوں کے لئے مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہے، اللہ سے دعا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کے اندر بھی ایسی ہی خداترسی اور آخرت کی فکر پیدا فرمادے تاکہ ہم بھی ہر طرح کے مہلک گناہوں سے بچنے والے بن جائیں۔آمین۔

اس طرح کے اور واقعات بھی احادیث اور کتب معتبرہ میں موجود ہیں ان کو بھی عبرت وموعظت کے لئے درج کیا جارہا ہے۔

بدکاری سے توبہ اور منجانب اللہ مغفرت کا اعلان

ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بنی اسرائیل کے ایک شخص کا عبرت آموز واقعہ منقول ہے، حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اس واقعہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف ایک ہی دو دفعہ نہیں سنا بلکہ سات آٹھ مرتبہ سے زیادہ سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس واقعہ کو حضرات صحابہؓ کے درمیان بڑی اہمیت کے ساتھ بار بار بیان فرمایا کرتے تھے، واقعہ یہ ہے کہ ایک شخص کفل نام کا تھا اس نے دنیا کا کوئی ایسا گناہ نہیں چھوڑا جس کا ارتکاب نہ کیا ہو، اللہ تعالیٰ نے اسے دولت سے نوازا تھا کفل نے اس دولت کا غلط استعمال کیا اکثر فحاشات اور برائیوں میں اس کا روپیہ پیسہ ضائع ہوتا تھا، ایک دفعہ ایک نہایت غریب محتاج لیکن حسن وخوبصورتی کی پیکر عورت اس سے کچھ قرض مانگنے کیلئے آئی تو اس شخص نے اپنے لئے موقع کو غنیمت سمجھا، اور عورت سے کہا کہ میں تمھیں ساٹھ دینار اس شرط پر دوں گا، کہ تم مجھے اپنے ساتھ بدکاری کرنے کا موقع دو، عورت ضرورت مند تھی مجبور ہوکر اس شرط کو منظور کرلیا اس کے بعد کفل نے بدکاری کرنے کا ارادہ کیا اور عورت پر بدکاری کیلئے بیٹھنے لگا تو عورت کے پورے بدن میں لرزہ طاری ہوگیا اور بے اختیار رونے لگی، تو کفل نے کہا میں نے تمھارے ساتھ زور زبردستی نہیں کی تم نے خود اختیار دیا ہے، عورت نے کہا ٹھیک ہے تم نے میرے ساتھ زور زبردستی تو نہیں کی لیکن یہ ایسا کام ہونے جارہا ہے جو میں نے کبھی نہیں کیا اور آج ان پیسوں کی

ضرورت کی بنا پر مجھے آپ کی شرط ماننی پڑی اور اس ناجائز اور حرام کام کیلئے مجبور ہونا پڑا میں اسی وجہ سے رو رہی ہوں اور اسی وجہ سے میرے بدن میں لرزہ طاری ہے، اور میں ایسا کام کبھی کرنا نہیں چاہتی، جب عورت کی درد انگیز گفتگو کفل نے سنی تو اسی وقت کفل کو ہدایت نصیب ہوگئی اور اللہ کا خوف اس کے دل میں طاری ہوگیا، یہ کہہ کر عین گناہ کے وقت میں عورت کو چھوڑ دیا کہ میں آئندہ سے کبھی کسی قسم کا گناہ نہیں کروں گا، اور عورت سے کہا میں نے تمھیں وہ ساٹھ دینار یوں ہی دیدیئے، جاؤ اس سے اپنی ضرورت پوری کرلو اور کفل نے اللہ سے عہد و پیمان کے ساتھ توبہ کرلی کہ اب کبھی گناہ نہیں کروں گا، اتفاق سے اسی رات میں کفل کا انتقال ہوگیا اور بنی اسرائیل میں اللہ کی طرف سے یہ حکم جاری تھا کہ جب کوئی شخص رات میں گناہ کرے گا تو صبح کو اس کے دروازے کی چوکھٹ پر وہ گناہ لکھا ہوا ہوتا تھا، اور اگر کسی نے توبہ کی اور اللہ نے اس کی توبہ قبول فرمالی تو اس کے دروازہ پر صبح کو یہ لکھا ہوا ملتا کہ اس کی توبہ قبول ہوگئی اور مغفرت کردی گئی، چنانچہ کفل کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوا جب رات میں اس کا انتقال ہوا تو صبح کو اس کے دروازہ پر یہ لکھا ہوا ملا کہ اللہ نے کفل کی مغفرت فرمادی ہے، تمام لوگ اس کی اس مغفرت پر حیران اور ششدر تھے کہ اس کی کیسے مغفرت ہوگئی، جبکہ اس کی پوری زندگی نافرمانی عیش پرستی اور زنا کاری میں گذری لیکن اللہ کی رحمت بڑی وسیع ہے جب اس نے سچے دل سے گناہوں سے توبہ کرلی تو اللہ نے نہ صرف یہ کی اس کی توبہ کو قبول فرمایا بلکہ عرش عظیم کے سایہ کا بھی مستحق بنادیا۔ (ترمذی شریف ۲/ ۷۶، مسند احمد/ ۳۸۹، حدیث: ۴۷۴۷، مطبع دار الفکر، انوار ہدایت/ ۷۰)

گناہ سے بچنے کی وجہ سے بدن خوشبودار ہوگیا

ایک نوجوان کے بدن سے ہمیشہ مشک اور عنبر کی طرح خوشبو مہکتی تھی اس کے کسی متعلق نے اس سے کہا کہ آپ ہمیشہ اتنی عمدہ ترین خوشبو میں معطر رہتے ہیں اور بلاوجہ اس میں پیسہ خرچ کرتے ہیں، اس پر جوان نے جواب دیا کہ میں نے زندگی میں کوئی خوشبو نہیں خریدی اور نہ ہی کوئی خوشبو استعمال کی، تو سائل نے کہا پھر یہ آپ کے بدن سے خوشبو کہاں سے اور کیسے آتی ہے، جوان نے کہا یہ ایک راز ہے جو بتانے والا نہیں، سائل نے اصرار سے پوچھا اور کہا شاید ہم کو بھی

اس سے فائدہ ہو، تو جوان نے اپنا واقعہ سنایا کہ میرے والد محترم تاجر تھے اور گھریلو سامان فروخت کیا کرتے تھے، میں ان کے ساتھ دوکان میں بیٹھا تھا ایک بوڑھی عورت نے آکر کچھ سامان خریدا اور والد صاحب سے کہا کہ آپ اپنے لڑکے کو میرے ساتھ بھیج دیجئے تا کہ میں اس کے ہاتھ سامان کی قیمت بھیج دوں، میں اس بوڑھی عورت کے ساتھ گیا تو ایک نہایت خوبصورت گھر میں پہونچا اور اس میں ایک خوبصورت کمرہ میں مسہری پر حسین جمیل لڑکی موجود تھی وہ مجھ کو دیکھتے ہی میری طرف متوجہ ہوئی کیونکہ میں بھی نہایت حسین ہوں، اس نے مجھے دعوتِ گناہ دی، میں نے اس کی خواہش پوری کرنے سے انکار کردیا، تو اس نے مجھ کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا، میں اس سخت ابتلاء اور آزمائش کے وقت سخت پریشان تھا کہ کیسے گناہ سے بچوں، اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں ایک بات ڈالی اور میں نے اس لڑکی سے کہا کہ مجھے قضاء حاجت کے لئے بیت الخلا جانے کی ضرورت ہے، اس نے فوراً اپنی باندیوں اور نوکروں سے کہا، کہ جلدی سے بیت الخلا ان کے لئے صاف کردو، میں نے بیت الخلا میں داخل ہوکر خود اجابت کر کے نجاست کو اپنے بدن اور کپڑوں پر مل لیا اور اسی حالت میں اس کے پاس پہونچا جب اس نے مجھے اس حالت میں دیکھا تو اس نے کہا اسے فوراً یہاں سے نکال دو یہ مجنون ہے، میرے پاس ایک درہم تھا میں نے اس سے صابون خرید کر ایک نہر میں جا کر غسل کیا اور کپڑے دھوکر پہن لئے اور میں نے یہ راز کسی کو نہیں بتایا پھر جب میں رات میں سویا تو خواب میں دیکھا ایک فرشتہ نے آکر مجھ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم کو جنت کی بشارت ہے اور معصیت سے بچنے کے لئے تم نے جو تدبیر اختیار کی اس کے بدلہ میں تم کو یہ خوشبو پیش کی جارہی ہے، چنانچہ میرے پورے بدن پر وہ خوشبو لگائی گئی، اس وقت سے آج تک وہ خوشبو میرے بدن اور کپڑوں سے مہکتی رہتی ہے۔ **والحمد للّٰہ رب العالمین ۔**

(الترغیب والترہیب للیافعی بحوالہ انوار ہدایت/ ۲۴۸)

خفیہ طور پر صدقہ خیرات

(٦) وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ اِخْفَاءً حَتّٰی لَا تَعْلَمُ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ بِيَمِيْنِهٖ:

چھٹا وہ شخص عرش کے سائے کا مستحق ہوگا جو اتنے خفیہ طریقہ سے صدقہ خیرات کرے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی پتہ نہ چلے کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے۔

شریعت اسلامیہ نے اپنے ماننے والوں (امیر غریب ہر شخص) کو عمدہ تعلیمات اور واضح ہدایات سے نوازا ہے، حدیث شریف کے مذکورہ جزو میں جہاں اہل ثروت اور مال دار اشخاص کو ضرورت مند حضرات کی ضرورتوں میں صدقہ وخیرات کرنے کی ترغیب ہے وہیں یہ بھی واضح انداز میں تعلیم دی گئی ہے کہ صدقہ اتنا خفیہ اور پوشیدہ طور پر ہونا چاہئے کہ منفق اور دینے والے کے بائیں ہاتھ کو بھی پتہ نہ چلے کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے؟

امت مسلمہ کے اہل خیر اور مال دار مؤمنین کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس اعلیٰ تعلیم پر عمل کرنے کی کوشش کرنا چاہئے۔ اور جب کبھی کسی غریب محتاج ضرورت مند کی پریشانی میں اس کا تعاون کرنے کی سعادت میسر آجائے، تو اس انداز سے اس کا تعاون فرمائیں کہ زندگی بھر کسی کو اس احسان کے بارے میں پتہ نہ چلے، اور یہ اعلیٰ تعلیم امت مسلمہ کے اہل خیر حضرات کو اس لئے دی گئی، کہ بعض ضرورت مند ایسے ہوتے ہیں جو واقعتاً مجبور اور فاقہ مست ہوتے ہیں لیکن اپنی اس حالت کو کسی انسان پر ظاہر نہیں کرنا چاہتے اور اضطراری حالات میں اگر ظاہر بھی کر دیا تو اس کو راز میں رکھنا چاہتے ہیں اگر اس راز کا افشا ہو جائے تو تکلیف محسوس کرتے ہیں، اسی وجہ سے سرور کونین ﷺ نے امت کے مالدار اور اہل ثروت حضرات کو اس زریں تعلیم سے نوازا کہ جب ایسے مواقع فراہم ہو جائیں تو پوری زندگی اپنے اس احسان کو راز میں رکھو، اگر اس انداز سے صدقہ وخیرات کرنے والے ہو گئے تو تمھیں اس دن جب عرش کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہوگا عرش کے سائے میں جگہ نصیب ہوگی اور ہر طرح کے آرام وراحت سے سرفراز کئے جاؤ گے۔

حدیث شریف کے اس جزو میں خفیہ صدقہ کی ہی ترغیب دی گئی ہے جبکہ بعض آیات اور احادیث میں بعض حالات میں علانیہ صدقہ کی بھی اجازت ہے لیکن بہتر اور اولیٰ یہی ہے کہ صدقہ خفیہ ہو جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ. (سورۂ بقرہ آیت نمبر ۲۷۱)

صدقات کو تم اگر ظاہر کر کے دو تب بھی اچھی بات ہے اور اگر تم ان کو چپکے سے فقیروں کو دیدو تو یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے اور حق تعالیٰ تمہارے کچھ گناہ معاف کر دیں گے اور اللہ جل شانہ کو تمھارے کاموں کی خبر ہے۔

مذکورہ آیت کریمہ میں بظاہر فرض اور نفل سب صدقات شامل ہیں، اور سب میں اخفاء ہی افضل ہے، اسی میں دینی مصلحت بھی ہے کہ ریا اور نمود عجب و تکبر کا خطرہ نہیں رہتا، اور لینے والے کو بھی شرمندگی نہیں ہوتی۔ اور دنیوی مصلحت بھی ہے کہ معطی اور منفق کے مال کی مقدار عام لوگوں پر ظاہر نہیں ہوتی جس کی وجہ سے چوری، ڈکیتی وغیرہ جیسے حوادثات سے محفوظ و مامون رہتا ہے۔

اور یہ بھی واضح رہے کہ اس آیت کریمہ میں اخفا کی افضلیت فی نفسہ ہے لیکن اگر کسی مقام پر کسی عارض اور ضرورت کی بناء پر صدقہ کو علانیہ اور اظہار کر کے دینا ضروری ہو جائے تو یہ افضلیت کے فی نفسہ کے منافی نہیں، مثلاً اگر کسی شخص کے بارے میں لوگ یہ کہنے لگیں کہ یہ زکوٰۃ ادا نہیں کرتا صدقات و خیرات نہیں کرتا تو ایسا شخص رفع تہمت کے لئے علانیہ صدقات دے سکتا ہے۔

اسی طرح کوئی مقتدا ہو اور اس کے علانیہ صدقہ کرنے سے یہ امید ہو کہ دوسروں کو بھی اس کی اقتداء میں صدقات و خیرات کرنے کی توفیق ہو جائے گی تو ایسا شخص بھی علانیہ صدقہ کرے تو وہ بھی افضلیت کے فی نفسہ کے منافی نہیں۔ (مستفاد معارف القرآن ۱/۶۴۲) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

جو لوگ اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں رات دن، پوشیدہ اور کھلم کھلا، ان کے لئے ان کے رب کے پاس اس کا اجر و ثواب ہے اور قیامت کے

وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ. (سورۂ بقرہ : ٢٧٤) دن نہ ان کو کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ مغموم ہوں گے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے وضاحت سے بیان فرمادیا کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے عادی ہیں تمام حالات واوقات میں رات میں اور دن میں خفیہ اور علانیہ ہر طرح فی سبیل اللہ خرچ کرتے رہتے ہیں، تو اس طرح خفیہ اور علانیہ دونوں طرح سے اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ثواب ہے بشرطیکہ اخلاص کے ساتھ خرچ کیا جائے نام ونمود مقصود نہ ہو خفیہ خرچ کرنے کی فضیلت بھی اسی حد تک ہے کہ علانیہ خرچ کرنے کے لئے کوئی ضرورت داعی نہ ہو اور جہاں ایسی ضرورت ہو وہاں علانیہ خرچ کرنا ہی افضل ہے۔

روح المعانی میں بحوالہ ابن عساکر نقل کیا گیا ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے چالیس ہزار دینار اللہ کی راہ میں اسی طرح خرچ کئے کہ دس ہزار دن میں دس ہزار رات میں دس ہزار خفیہ دس ہزار علانیہ۔ (معارف القرآن ١/٦٤٣)

الغرض مذکورہ دونوں آیتوں سے معلوم ہوا اگر ریا ونمود، عجب وتکبر یا دیگر دنیوی نقصانات کا اندیشہ ہو تو صدقات وخیرات خفیہ دینا چاہئے تاکہ دنیوی نقصانات سے محفوظ رہیں اور آخرت کی لازوال نعمتیں حاصل ہوں، اور میدان محشر کی سخت دھوپ، تپش اور ہولناکی میں آرام وراحت کے ساتھ عرش کے سائے میں رہنا نصیب ہو۔

صدقات وخیرات خفیہ یا علانیہ کس طرح ادا کئے جائیں اس کی اس مختصر تشریح اور تفصیل کے بعد ضروری معلوم ہوتا ہے کہ صدقہ وخیرات کرنے کے فضائل وفوائد بھی قارئین کی خدمت میں پیش کئے جائیں تاکہ اس عظیم عبادت کی ادائے گی کا جذبہ بیدار ہو اور ہم سب اپنے غریب محتاج، لاچار، مجبور اور کمزور بھائیوں کے دکھ درد میں شریک ہونے والے بن جائیں۔

سب سے پہلے قرآن کریم کی چند آیات کریمہ پر نظر ڈالیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ	جو لوگ اللہ کی راہ میں (یعنی امور خیر میں) اپنے
سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْبَتَتْ	مالوں کو خرچ کرتے ہیں ان کے خرچ کئے
سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِّائَةُ	ہوئے مالوں کی حالت (عنداللہ) ایسی ہے جیسے

حَبَّةٍ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَاءُ وَللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ.

(سورہ بقرہ آیت ۲٦۱)

ایک دانہ کی حالت جس سے (فرض کرو) سات بالیں جمیں (اور) ہر بال کے اندر سودانے ہوں (اسی طرح خدا تعالیٰ ان کا ثواب سات سوحصہ تک بڑھاتا ہے) اور یہ افزونی خدا تعالیٰ جسکو چاہتا ہے (بقدر اس کے اخلاص ومشقت کے) عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والے جاننے والے ہیں۔

مذکورہ آیت کریمہ میں اللہ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں یعنی حج، جہاد، فقراء ومساکین اور بیواؤں، یتیموں پر خرچ کرتے ہیں یا بہ نیت امداد اپنے عزیزوں اور دوستوں پر، اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی شخص ایک دانہ گیہوں کا عمدہ زمین میں بوئے اس دانہ سے گیہوں کا ایک پودا نکلے جس میں سات خوشے گیہوں کے پیدا ہوں اور ہر خوشے میں سودانے ہوں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دانہ سے سات سودانے حاصل ہو گئے، معلوم ہوا اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے کا اجر وثواب ایک سے لے کر سات سو تک پہونچتا ہے اور ایک پیسہ خرچ کرے تو سات سو پیسوں کا ثواب حاصل ہوسکتا ہے۔ (معارف القرآن ۱/۶۳۱)

قبولیت صدقات کی مثبت شرائط

قرآن حکیم نے اس مضمون کو بجائے مختصر اور صاف لفظوں میں بیان کرنے کے دانہ گندم کی مثال کی صورت میں بیان فرمایا، جس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح کاشتکار ایک دانہ گندم سے سات سودانے اسی وقت حاصل کرسکتا ہے جب کہ یہ دانہ عمدہ ہو خراب نہ ہو اور دانہ ڈالنے والا کاشتکار بھی کاشتکاری کے فن سے پوری طرح واقف ہو اور جس زمین میں ڈالے وہ بھی عمدہ زمین ہو کیونکہ ان میں سے اگر ایک چیز بھی کم ہوگئی تو یہ دانہ ضائع ہو جائے گا ایک دانہ بھی نہ نکلے گا یا پھر ایسا بار آور نہ ہوگا کہ ایک دانہ سے سات سودانے بن جائیں۔

اسی طرح عام اعمال صالحہ اور خصوصاً انفاق فی سبیل اللہ کی مقبولیت اور زیادتی اجر کے لئے بھی یہی تین شرطیں ہیں کہ جو مال اللہ کی راہ میں خرچ کرے وہ پاک اور حلال ہو، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ پاک اور حلال کے سوا کسی چیز کو قبول نہیں فرماتے۔

دوسرے خرچ کرنے والا بھی نیک اور صالح ہو، بدنیتی یا نام ونمود کے لئے خرچ کرنے والا اس ناواقف کاشتکار کی طرح ہے جو دانہ کو کسی ایسی جگہ ڈال دے کہ وہ ضائع ہو جائے۔

تیسرے جس پر خرچ کرے وہ بھی مستحق ہو کسی نااہل پر خرچ کر کے ضائع نہ کرے اس طرح اس مثال سے اللہ کی راہ میں خرچ کی بہت بڑی فضیلت بھی معلوم ہوگئی اور ساتھ ہی اس کی شرطیں بھی کہ مال حلال خرچ کرے اور خرچ کرنے کا طریقہ بھی سنت کے مطابق ہو اور مستحقین کو تلاش کر کے ان پر خرچ کرے محض جیب سے نکال ڈالنے سے یہ فضیلت حاصل نہیں ہوتی۔(معارف القرآن ۱/۶۳۱، ۶۳۲)

قبولیت صدقہ کے منفی شرائط

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا یُتْبِعُوْنَ مَا اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَا اَذًى لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَیْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ یَّتْبَعُهَا اَذًى وَاللّٰهُ غَنِیٌّ حَلِیْمٌ .

(سورۂ بقرۃ آیت ۲۶۲، ۲۶۳)

جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر خرچ کرنے کے بعد نہ تو (جن کو دیا ہے اس پر زبان سے) احسان جتلاتے ہیں اور نہ (برتاؤ سے اس کو) آزار اور تکلیف پہونچاتے ہیں ان لوگوں کو ان (کے عمل) کا ثواب ملے گا ان کے پروردگار کے پاس (جا کر) اور نہ (قیامت کے دن) ان پر کوئی خطرہ ہوگا اور نہ یہ مغموم ہوں گے مناسب بات کہہ دینا اور (اگر سائل بدتمیزی سے غصہ دلا دے یا اصرار کر کے تنگ کرے تو) درگذر کرنا (ہزار درجہ) بہتر ہے ایسی خیرات (دینے) سے جس کے بعد آزار پہونچایا جائے

اور اللہ تعالیٰ خود غنی حلیم ہیں اے ایمان والو! تم
احسان جتلا کر یا ایذاء پہونچا کر اپنی خیرات کو
برباد مت کرو۔

مذکورہ آیتوں میں سے پہلی آیت میں صدقہ کے قبول ہونے کی دو منفی شرطیں بیان کی گئی ہیں ایک یہ کہ احسان نہ جتلائیں دوسرے یہ کہ جس کو دیں اس کو عملاً ذلیل وخوار نہ سمجھیں اور نہ کوئی ایسا برتاؤ کریں جس سے وہ اپنی حقارت وذلت محسوس کرے یا اس کو ایذاء پہونچے۔

دوسری آیت میں بھی صدقات وخیرات کے اللہ کے نزدیک مقبول ہونے کی ان دو شرطوں کی مزید وضاحت کی گئی ہے جن کا بیان اس سے پہلی آیت میں ہو چکا کہ مال اللہ کی راہ میں خرچ کر کے کسی پر احسان نہ جتلائیں، دوسرے یہ کہ جس کو دیں اس کے ساتھ کوئی ایسا برتاؤ نہ کریں جس سے وہ اپنی ذلت وحقارت محسوس کرے یا جس سے اس کو ایذاء پہونچے، اور وضاحت اس طرح کی گئی کہ ناداری یا معذوری کی حالت میں سائل کے جواب میں کوئی معقول ومناسب عذر پیش کر دینا اور اگر سائل بدتمیزی سے غصہ دلا دے تو اس سے درگذر کرنا ہزار درجے بہتر ہے ایسی خیرات دینے سے جس کے بعد اس کو ایذاء پہونچائی جائے، اور اللہ تعالیٰ خود غنی وحلیم ہیں ان کو کسی کے مال کی حاجت نہیں جو خرچ کرتا ہے اپنے نفع کے لئے کرتا ہے، تو ایک عاقل انسان کو خرچ کرنے کے وقت اس کا لحاظ رکھنا چاہیے کہ میرا کسی پر احسان نہیں میں اپنے نفع کے لئے خرچ کر رہا ہوں اور اگر لوگوں کی طرف سے کوئی ناشکری بھی محسوس کرے تو اخلاق الٰہیہ کے تابع ہو کر عفو ودرگذر سے کام لے۔

تیسری آیت میں اسی مضمون کو دوسرے عنوان سے اور بھی تاکید کے ساتھ اس طرح ارشاد فرمایا کہ اپنے صدقات کو برباد نہ کرو زبان سے احسان جتلا کر یا برتاؤ سے ایذاء پہونچا کر۔

اس سے واضح ہو گیا کہ جس صدقہ وخیرات کے بعد احسان جتلانے یا مستحقین کو ایذاء پہونچانے کی صورت ہو جائے وہ صدقہ باطل کالعدم ہے اس پر کوئی ثواب نہیں۔ (معارف القرآن ۱/۶۳۲،۶۳۳)

قرآن کریم میں مذکورہ آیات مقدسہ کے علاوہ بھی بہت سی آیات ہیں جن میں انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب وتلقین کی گئی ہے، مضمون کو طوالت سے بچاتے ہوئے ان چند آیات پر اکتفا کیا گیا ہے اب احادیث مبارکہ ملاحظہ فرمائیں جن میں صدقہ کے فضائل اور فوائد کو واضح کیا گیا ہے:

صدقہ کی ترغیب اور اس کی برکات

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: أَنْفِقْ يَابْنَ اٰدَمَ أُنْفِقْ عَلَيْكَ.

(رواه البخاری ۲/۸۰۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر بندے کو اللہ کا پیغام ہے کہ اے آدم کے فرزند! تو میرے ضرورت مند بندوں پر اپنی کمائی خرچ کر، میں اپنے خزانہ سے تجھ کو دیتا رہوں گا۔

اس حدیث قدسی میں گویا اللہ تعالی کی طرف سے ضمانت ہے کہ جو بندہ اس کے ضرورت مند بندوں کی ضرورتوں پر خرچ کرتا رہے گا اس کو اللہ تعالی کے خزانہ غیب سے ملتا رہے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے جن بندوں کو یقین کی دولت سے نوازا ہے ہم نے دیکھا کہ ان کا یہی معمول ہے اور ان کے ساتھ رب کریم کا بھی یہی معاملہ ہے اللہ تعالی ہم کو بھی اس یقین کا کوئی حصہ نصیب فرمائے۔

عَنْ أَسْمَاءَ رَضِيَ اللّٰهَ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رُسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : أَنْفِقِيْ وَلَا تُحْصِيْ فَيُحْصِيَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَلَا تُوْعِيْ فَيُوْعِيَ اللّٰهُ عَلَيْكَ أَرْضِخِيْ مَااسْتَطَعْتِ.

(بخاری ۱/۱۹۳، ومسلم ۱/۳۳۱، مشکوۃ ۱/۱٦٤)

حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا تم اللہ کے بھروسہ پر اس کی راہ میں کشادہ دستی سے خرچ کرتی رہو اور گنو مت (یعنی اس فکر میں نہ پڑو کہ میرے پاس کتنا ہے اور اس میں سے کتنا راہ خدا میں دوں) اگر تم اس کی راہ میں اس طرح حساب کر کے دوگی تو وہ بھی تمہیں حساب ہی

سے دے گا (اور اگر بے حساب دو گی تو وہ بھی اپنی نعمتیں تم پر بے حساب انڈیلے گا) اور دولت جوڑ جوڑ کے اور بند کر کے نہ رکھو ورنہ اللہ تعالیٰ بھی تمہارے ساتھ یہی معاملہ کرے گا (کہ رحمت اور برکت کے دروازے تم پر خدانخواستہ بند ہو جائیں گے) لہٰذا تھوڑا بہت جو کچھ ہو سکے اور جس کی توفیق ملے راہ خدا میں کشادہ دستی سے دیتی رہو۔

عن أَبِي أُمَامَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : يَا ابْنَ اٰدَمَ أَنْ تَبْذُلَ الْفَضْلَ خَيْرٌ لَكَ وَأَنْ تُمْسِكَهُ شَرٌّ لَكَ وَلَا تُلَامُ عَلٰى كَفَافٍ وَابْدَءْ بِمَنْ تَعُوْلُ.

(مسلم ۳۳۲/۱، رقم:۱۰۳٦، مشکوة ۱٦٤/۱، مسند أحمد رقم:۲۲۲٦٥)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے آدم کے فرزندو! اللہ کی دی ہوئی دولت جو اپنی ضرورت سے فاضل ہو اس کا راہ خدا میں صرف کر دینا تمہارے لئے بہتر ہے اور اس کا روکنا تمہارے لئے برا ہے اور ہاں گزارے کے بقدر رکھنے پر کوئی ملامت نہیں اور سب سے پہلے ان پر خرچ کرو جن کی تم پر ذمہ داری ہے۔

اس حدیث کا پیغام یہ ہے کہ آدمی کے لئے بہتر یہ ہے کہ جو دولت وہ کمائے یا کسی ذریعہ سے اس کے پاس آئے اس میں سے اپنی زندگی کی ضرورت کے بقدر تو اپنے پاس رکھے باقی راہ خدا میں اس کے بندوں پر خرچ کرتا رہے، اور اس میں پہلا حق ان لوگوں کا ہے جن کا اللہ نے اس کو ذمہ دار بنایا ہے اور جن کی کفالت اس کے ذمہ ہے مثلاً اس کے اہل وعیال اور حاجت مند قریبی اعزہ وغیرہ۔

جو راہ خدا میں خرچ کر دیا جائے وہی باقی اور کام آنے والا ہے

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت

أَ نَّهُـمْ ذَبَـحُوْا شَاةً، فَقَالَ النَّبِيُّ صَـلَّـى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : مَابَقِيَ مِـنْهَـا ؟ قَالَتْ : مَا بَقِيَ مِنْهَا إِلَّا كَتِـفُهَـا، قَـالَ : بَـقِـيَ مِنْهَا غَيْرُ كَتِفُهَا.

(رواه الترمذی ۷۳/۲، رقم: ۲٤۷۰،

ومثله في مسند أحمد، رقم: ۲٤۲٤۰)

ہے کہ ایک بکری ذبح کی گئی (اوراس کا گوشت للہ تقسیم کر دیا گیا، رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور) آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ بکری میں سے کیا باقی رہا؟ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ: ''صرف ایک دست اس کی باقی رہی ہے'' (باقی سب ختم ہوگیا) آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''اس دست کے علاوہ جوراہ خدا میں تقسیم کر دیا گیا دراصل وہی باقی ہے اور کام آنے والا ہے'' (یعنی آخرت میں انشاء اللہ اس کا اجر ملے گا)

انفاق کے بارے میں اصحابِ یقین وتوکل کی راہ

عَـنْ اَبِـىْ هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ قَـالَ : قَـالَ رَسُـوْلُ الـلّٰـهِ صَلّٰى الـلّٰـهُ عَـلَيْـهِ وَسَلَّمَ : لَوْكَانَ لِىْ مِثْـلُ اُحُــدٍ ذَهَبـاً لَسُـرَّنِـىْ اَنْ لَايَـمُـرَّ عَلىٰ ثَلٰثِ لَيَالٍ وَعِنْدِىْ مِـنْــهُ شَــىْءٌ اِلَّا شَــىْءٌ اُرْصِدُهٗ لِلَدَيْنٍ . (بخاری ۹٥٤/۲، رقم: ٦٤٤٥)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر میرے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہوتو میرے لئے بڑی خوشی کی بات یہ ہوگی کہ تین راتیں گزرنے سے پہلے اس کو راہ خدا میں خرچ کر دوں اور میرے پاس اس میں سے کچھ بھی باقی نہ رہے سوائے اس کے کہ میں قرض ادا کرنے کے لئے اس میں سے کچھ بچالوں۔

کشادہ دستی سے خرچ نہ کرنے والے خسارے میں

عَـنْ اَبِـىْ ذَرٍّ قَــالَ انْتَهَيْتُ اِلىٰ الـنَّبِـىِّ صَـلّٰـى الـلّٰـهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُـوَ جَـالِــسٌ فِـىْ ظِلِّ الْكَعْبَةِ فَلَمَّا رَاٰنِىْ قَالَ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ

حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ میں ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ اس وقت کعبہ کے سائے میں اوراس کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے جب مجھے دیکھا

وَرَبِّ الْكَعْبَةِ فَقُلْتُ: فِدَاكَ اَبِیْ وَاُمِّیْ مَنْ هُمْ؟ قَالَ هُمُ الْاَكْثَرُوْنَ اَمْوَالاً اِلَّا مَنْ قَالَ هٰكَذَا وَهٰكَذَا مِنْ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ وَعَنْ یَمِیْنِهٖ وَعَنْ شِمَالِهٖ وَقَلِیْلٌ مَاهُمْ.

(رواه البخاری ۹۵٤/۲، ومسلم ۳۲/۱)

تو فرمایا: رب کعبہ کی قسم وہ لوگ بڑے خسارے میں ہیں، میں نے عرض کیا: میرے ماں باپ آپ پر قربان! کون لوگ ہیں جو بڑے خسارے میں ہیں؟ آپ نے فرمایا وہ لوگ جو بڑے دولت مند اور سرمایہ دار ہیں ان میں سے وہی لوگ خسارے سے محفوظ ہیں جو اپنے آگے پیچھے اور دائیں (ہر طرف خیر کی مصارف میں) اپنی دولت کشادہ دستی کے ساتھ صرف کرتے مگر دولت اور سرمایہ داروں میں ایسے بندے بہت کم ہیں۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے فقر کی زندگی اختیار کر رکھی تھی اور ان کے مزاج اور طبعیت کے لحاظ سے یہی ان کے لئے بہتر تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب وہ حاضر ہوئے تو آپ نے ان کے اطمینانِ خاطر کے لئے بیان فرمایا کہ:۔ دولت منداور سرمایہ داری جو بظاہر بڑی نعمت ہے دراصل کڑی آزمائش بھی ہے، اور صرف وہی بندے اس میں کامیاب ہو سکتے ہیں جو اس سے دل نہ لگائیں اور پوری کشادہ دستی کے ساتھ دولت کو خیر کے مصارف میں خرچ کریں، جو ایسا نہ کریں گے وہ انجام کار بڑے خسارے میں رہیں گے۔

صدقہ کے خواص اور برکات

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ الصَّدَقَةَ لَتُطْفِیءُ غَضَبَ الرَّبِّ وَتَدْفَعُ مِیْتَةَ السُّوْءِ. (رواه الترمذی ۱٤/۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: صدقہ اللہ کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے اور بری موت کو دفع کرتا ہے۔

جس طرح دنیا کی مادی چیز جڑی بوٹیوں تک کے خواص اور اثرات ہوتے ہیں، اسی

طرح انسانوں کے اچھے برے اعمال اور اخلاق کے بھی خواص اور اثرات ہوتے ہیں، جو انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ ہی معلوم ہوتے ہیں۔

اس حدیث میں صدقہ کی دو خاصیتیں بیان کی گئی ہیں:۔ایک یہ کہ اگر بندے کی کسی بڑی لغزش اور معصیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا غضب اس کی طرف متوجہ ہو تو صدقہ اس غضب کو ٹھنڈا کر دیتا ہے اور اس کی وجہ سے بندہ بجائے اللہ کے غضب اور ناراضی کے اس کی رضا اور رحمت کا مستحق بن جاتا ہے۔اور دوسری خاصیت یہ ہے کہ وہ بری موت سے آدمی کو بچاتا ہے (یعنی صدقہ کی برکت سے اس کا خاتمہ اچھا ہوتا ہے) دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ اس طرح کی موت سے بچاتا ہے جس کو دنیا میں بری موت سمجھا جاتا ہے۔واللہ اعلم۔

عَنْ مُرْثِدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِؒ قَالَ: حَدَّثَنِیْ بَعْضُ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ اَنَّہٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ: اِنَّ ظِلَّ الْمُؤْمِنِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ صَدَقَتُہٗ. (رواہ أحمد بحوالہ مشکاۃ ۱/۱۷۰)

مرثد بن عبداللہ تابعیؒ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ کے بعض اصحاب کرامؓ نے بیان کیا ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ بات سنی ہے کہ قیامت کے دن مومن پر اس کے صدقے کا سایہ ہوگا۔

حدیثوں میں بہت سے اعمال صالحہ کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ قیامت کے دن یہ اعمال سایہ کا ذریعہ بن جائیں گے۔اس حدیث میں صدقہ کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ قیامت میں صدقہ کی ایک برکت یہ ظاہر ہوگی کہ صدقہ کرنے والے کے لئے اس کا صدقہ سائبان بن جائے گا جو اس دن کی تپش اور تمازت سے اس کو بچائے گا۔اللہ تعالیٰ ان حقیقتوں کا یقین اور اس کے مطابق عمل نصیب فرمائے۔آمین۔

صدقہ کرنے سے مال میں کمی نہیں آتی بلکہ برکت ہوتی ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

مَـا نَـقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ وَ مَا زَادَ الـلّٰـهُ عَبۡدًا بِعَفۡوٍ اِلَّا عِزًّا وَمَا تَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰهِ اِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ.

(رواه مسلم ۲/۳۲۱، رقم:۲۵۸۸)

صدقہ سے مال میں کمی نہیں آتی (بلکہ اضافہ ہوتا ہے) اور قصور معاف کردینے سے آدمی نیچا نہیں ہوتا بلکہ اللہ اس کو سر بلند کردیتا ہے اور اس کی عزت میں اضافہ ہوجاتا ہے اور جو بندہ اللہ کے لئے فروتنی اور خاکساری کا رویہ اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو رفعت اور بالاتری بخشے گا۔

عَـنۡ أَبِـيۡ اُمَـامَةَ رَضِـيَ اللّٰهُ عَنۡهُ قَالَ: قَالَ اَبُوۡ ذَرٍّؓ: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ ﷺ أَرَأَيۡـتَ الـصَّـدَقَةَ مَـا هِيَ؟ قَـالَ اَضۡـعَـافٌ مُـضَاعَفَةٌ وَ عِنۡدَ اللّٰهِ الۡمَزِيۡدُ .

(رواه أحمد، رقم:۲۲۲۸۸ بحواله مشكوة ۱/۱۷۰)

حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابوذرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ: حضرتؐ! بتایئے کہ صدقہ کیا ہے؟ (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا کیا اجر ملنے والا ہے) آپؐ نے فرمایا کہ: چند در چند (یعنی جتنا کوئی اللہ کی راہ میں صدقہ کرے اس کا کئی گنا اس کو ملے گا) اور اللہ کے ہاں بہت ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جو اللہ کی راہ میں جتنا صدقہ کرے گا اس کو اس کا کئی گنا اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا۔ بعض احادیث میں دس گنے سے سات سو گنے کا ذکر ہے اور یہ بھی آخری حد نہیں ہے اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا اس سے بھی زیادہ عطا فرمائے گا! وَاللّٰهُ يُضَاعِفُ لِمَنۡ يَّشَاءُ اس کے خزانہ کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

بعض حضرات نے اس حدیث کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ صدقہ کے عوض میں کئی گنا تو اللہ تعالیٰ اسی دنیا میں عطا فرماتا ہے، اس کا صلہ جو آخرت میں عطا فرمایا جائے گا وہ اس سے بہت زیادہ ہوگا۔

اللہ کے بندوں کا یہ عام تجربہ ہے کہ اللہ پر یقین اور اعتماد کرتے ہوئے وہ اخلاص کے ساتھ جتنا اس کی راہ میں اس کے بندوں پر صرف کرتے ہیں اس کا کئی گنا اللہ تعالیٰ ان کو اس دنیا ہی میں عطا فرما دیتا ہے، ہاں اخلاص اور یقین شرط ہے۔

ضرورت مندوں کو کھلانے پلانے اور پہنانے کا اجر و ثواب

عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : اَيُّمَا مُسْلِمٍ كَسَا مُسْلِماً ثَوْباً عَلىٰ عُرىً كَسَاهُ اللّٰهُ مِنْ خُضَرِ الْجَنَّةِ وَاَيُّمَا مُسْلِمٍ اَطْعَمَ مُسْلِماً عَلىٰ جُوْعٍ اَطْعَمَهُ اللّٰهُ مِنْ ثِمَارِ الْجَنَّةِ وَاَيُّمَا مُسْلِمٍ سَقىٰ مُسْلِماً عَلىٰ ظَمَأٍ سَقَاهُ اللّٰهُ مِنَ الرَّحِيْقِ الْمَخْتُوْمِ. (رواه ابوداؤد ۱/۲۳٦)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس مسلم نے کسی دوسرے مسلم بھائی کو جس کے پاس کپڑا نہیں تھا، پہننے کو کپڑا دیا، اللہ تعالیٰ اس کو جنت کا سبز لباس پہنائے گا اور جس مسلم بھائی نے دوسرے مسلم بھائی کو بھوک کی حالت میں کھانا کھلایا اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے پھل اور میوے کھلائے گا، اور جس نے پیاس کی حالت میں دوسرے مسلم بھائی کو پانی پلایا تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت کی سر بہ مہر شراب طہور پلائے گا۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مَا مِنْ مُسْلِمٍ كَسَا مُسْلِماً ثَوْباً اِلَّا كَانَ فِيْ حِفْظِ اللّٰهِ مَا دَامَ عَلَيْهِ مِنْهُ خِرْقَةٌ.

(مشکوٰۃ ۱/۱٦۹)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپؐ فرماتے تھے۔ جس بندے نے کسی مسلم کو کپڑا پہنایا وہ یقیناً اس وقت تک اللہ کے حفظ و امان میں رہے گا جب تک کہ اس کے جسم پر اس کپڑے میں سے کچھ بھی رہے۔

بھوکے پیاسے جانوروں کو کھلانا پلانا بھی صدقہ ہے

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلّٰى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : غُفِرَ لِامْرَأَةٍ مُؤْمِسَةٍ مَرَّتْ بِكَلْبٍ عَلٰى رَأْسِ رَكِيٍّ يَلْهَثُ كَادَ يَقْتُلُهُ الْعَطْشُ فَنَزَعَتْ خُفَّهَا فَأَوْثَقَتْهُ بِخِمَارِهَا فَنَزَعَتْ لَهُ مِنَ الْمَاءِ فَغُفِرَ لَهَا بِذٰلِكَ قِيْلَ إِنَّ لَنَا فِيْ الْبَهَائِمِ أَجْراً ؟ قَالَ : فِيْ كُلِّ ذَاتِ كَبِدٍ رَطْبَةٍ أَجْرٌ .

(رواه بخاری ١/٤٦٧، رقم:٣٣٢١، مسند أحمد، رقم:١٠٦٢١)

کہ ایک بد چلن عورت اس عمل پر بخش دی گئی وہ ایک کنوئیں کے پاس سے گزری اور اس نے دیکھا کہ ایک کتا زبان نکالے ہوئے ہے (اور اس کی حالت ایسی ہے کہ) گویا وہ پیاس سے مرہی جائے گا (اس عورت کے دل میں ترس آیا وہاں پانی نکالنے کے لئے رسی ڈول کچھ موجود نہیں تھا) اس نے اپنا چمڑے کا موزہ پاؤں سے نکالا اور (کسی طرح اس کو) اپنی اوڑھنی سے باندھا اور (محنت مشقت کر کے) اسی کے ذریعہ کنوئیں سے پانی نکال کے اس کو پلایا، وہ عورت اپنے اسی عمل کی وجہ سے بخش دی گئی کسی نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! کیا جانوروں کے کھلانے پلانے میں بھی ثواب ہے؟ آپ ؐ نے فرمایا: ہاں! ہر حساس جانور (جس کو بھوک پیاس کی تکلیف ہوتی ہو) اس کو کھلانے پلانے میں اجر وثواب ہے۔

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : مَامِنْ مُسْلِمٍ يَغْرِسُ غَرَسًا أَوْ يَزْرَعُ زَرْعاً فَيَأْكُلُ مِنْهُ طَيْرٌ أَوْ إِنْسَانٌ أَوْ بَهِيْمَةٌ إِلَّا كَانَتْ لَهُ بِهِ صَدَقَةٌ. (رواه البخاری١/٣١٢، رقم:٢٣٢٠ ومسلم ٢/١٦، مشکوٰۃ ١/١٦٨، رقم:١٥٥٣)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جو مسلمان بندہ کوئی درخت لگائے یا کھیتی کرے تو اس درخت یا اس کھیتی سے جو پھل اور جو دانہ کوئی انسان یا کوئی پرندہ یا کوئی چوپایہ کھائے گا وہ اس بندہ کے لئے صدقہ اور اجر وثواب کا ذریعہ ہوگا۔

اللہ کے بندوں کو زحمت سے بچانے کا صلہ جنت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : مَرَّ رَجُلٌ بِغُصْنِ شَجَرَةٍ عَلٰى ظَهْرِ طَرِيْقٍ فَقَالَ : لَا نُحِيْنُ هٰذَا عَنْ طَرِيْقِ الْمُسْلِمِيْنَ لَا يُؤْذِيْهِمْ فَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ .

(رواه البخاری ۱/۳۳٦، ومسلم۲/۳۲۸، رقم:۱۹۱٤)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ: اللہ کا بندہ کسی راستے پر چلا جارہا تھا جس پر کسی درخت کی ایک شاخ تھی (جس سے گزرنے والوں کو تکلیف ہوتی تھی) اس بندے نے اپنے جی میں کہا کہ میں اس شاخ کو یہاں سے الگ کر کے راستہ صاف کروں گا، تاکہ بندگانِ خدا کو تکلیف نہ ہو (پھر اس نے ایسا ہی کیا) تو وہ اپنے اس عمل کی وجہ سے جنت میں بھیج دیا گیا۔

بعض اعمال بظاہر بہت چھوٹے اور معمولی ہوتے ہیں لیکن کبھی کبھی وہ دل کی ایسی کیفیت اور ایسے خدا پرستانہ جذبہ کے ساتھ صادر ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں بڑا قیمتی اور بڑا محبوب ہوتا ہے، اس کی وجہ سے ارحم الراحمین کا دریائے رحمت جوش میں آجاتا ہے، پھر اس بندے کے سارے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اور اس کے لئے مغفرت اور داخلۂ جنت کا فیصلہ فرمادیا جاتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ والی مندرجۂ بالا حدیث میں ایک پیاسے کتے کو پانی پلانے پر ایک بدچلن عورت کی مغفرت کی جو خوشخبری دی گئی ہے اور اس حدیث میں راستے سے ایک درخت کی صرف شاخ ہٹادینے پر ایک آدمی کے داخلۂ جنت کی جو بشارت سنائی گئی ہے اس کا راز یہی ہے۔ واللہ اعلم

کس وقت کے صدقہ کا ثواب زیادہ ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

فَقَالَ : يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ! أَيُّ الصَّدَقَةِ أَعْظَمُ أَجْراً ؟ قَالَ : أَنْ تَصَدَّقَ وَأَنْتَ صَحِيْحٌ شَحِيْحٌ تَخْشَى الْفَقْرَ وَتَأْمُلُ الْغِنٰى وَلَا تُمْهِلُ حَتّٰى إِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ قُلْتُ : لِفُلَانٍ كَذَا وَلِفُلَانٍ كَذَا وَقَدْ كَانَ لِفُلَانٍ.

(رواہ البخاری ۱/۱۹۱،رقم: ۱۴۱۹، ومسلم۱/۳۳۲، رقم:۱۰۳۲)

سے عرض کیا کہ: کس صدقہ کا ثواب زیادہ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ زیادہ ثواب کی صورت یہ ہے کہ تم ایسی حالت میں صدقہ کرو جبکہ تمہاری تندرستی قائم ہو اور تمہارے اندر دولت کی چاہت اور اس کو اپنے پاس رکھنے کی حرص ہو، اس حالت میں (راہ خدا میں مال خرچ کرنے سے) تمھیں محتاجی کا خطرہ ہو، اور دولت مندی کی دل میں آرزو ہو (ایسے وقت میں اللہ کی رضا کے لئے اپنا مال خرچ کرنا سچی خدا پرستی اور خداطلبی کی دلیل ہے اور ایسے صدقہ کا ثواب بہت بڑا ہے) اور ایسا نہ ہونا چاہئے کہ تم سوچتے رہو، اور ٹالتے رہو، یہاں تک کہ جب موت کا وقت آجائے اور جان کھنچ کے حلق میں آجائے تو تم مال کے بارے میں وصیت کرنے لگو کہ اتنا فلاں کو اور اتنا فلاں کو حالانکہ اب تو مال (تمھاری ملکیت سے نکل کر) فلاں فلاں کا (یعنی وارثوں کا) ہو ہی جائے گا۔

انسانوں کی یہ عام کمزوری ہے کہ جب تک وہ تندرست وتوانا ہوتے ہیں اور موت سامنے نہیں کھڑی ہوتی، وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے بخل کرتے ہیں شیطان ان کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے کہ اگر ہم نے راہِ خدا میں خرچ کیا تو ہمارے پاس کمی ہوجائے گی ہم خود تنگدست اور محتاج ہوجائیں گے اس لئے ان کا ہاتھ نہیں کھلتا، لیکن جب موت سامنے آجاتی ہے اور زندگی کی امید باقی نہیں رہتی تو انھیں صدقہ یاد آتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: یہ طرزِ عمل ٹھیک نہیں ہے، اللہ کی نگاہ میں محبوب اور مقبول صدقہ وہ ہے جو بندہ

تندرستی وتوانائی کی ایسی حالت میں کرے کہ اس کے سامنے اپنے مسائل اور اپنا مستقبل بھی ہو اس کے باوجود وہ اللہ کی رضا جوئی کے لئے اور آخرت کے ثواب کی امید میں اور رب کریم کے وعدوں پر یقین واعتماد کرتے ہوئے اسی حالت میں ہاتھ کھول کے اللہ کی راہ میں اس کے بندوں پہ خرچ کرے۔ ایسے بندوں کے لئے قرآن مجید میں فلاح کا وعدہ ہے۔ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ .[سورۃ الحشر:۹]

اپنے اہل وعیال کی ضرورت پر خرچ کرنا بھی صدقہ ہے

اپنے اہل وعیال کی ضروریات پر اپنی اپنی حیثیت کے مطابق کم وبیش خرچ تو سب ہی کرتے ہیں لیکن اس خرچ کرنے سے لوگوں کو وہ روحانی خوشی حاصل نہیں ہوتی جو اللہ کے نیک بندوں کو دوسرے ضرورت مندوں اور مساکین وفقراء پر صدقہ کرنے سے ہوتی ہے، کیونکہ اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنے کو لوگ کارِ ثواب نہیں سمجھتے، بلکہ اس کو مجبوری کا ایک تاوان، یا نفس کا ایک تقاضا سمجھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ اپنے اہل وعیال اور اعزہ واقارب پر بھی لوجہ اللہ اور ثواب کی نیت سے خرچ کرنا چاہئے، اس صورت میں جو خرچ اس مد میں ہوگا وہ سب صدقہ کی طرح آخرت کی بینک میں جمع ہوگا بلکہ وہ دوسرے لوگوں پر صدقہ کرنے سے زیادہ اس کا ثواب ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تعلیم سے ہمارے لئے خیر و سعادت کا ایک بہت بڑا دروازہ کھل جاتا ہے۔ اب ہم جو کچھ اپنے بیوی بچوں کے کھانے کپڑے پر حتیٰ کہ ان کے جوتوں پر جائز حدود میں خرچ کریں وہ ایک طرح کا ''صدقہ'' اور کارِ ثواب ہوگا۔ بس شرط یہ ہے کہ ہم اس ذہن سے اور اس نیت سے خرچ کریں۔

عَنْ أَبِيْ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:إِذَا أَنْفَقَ الْمُسْلِمَ نَفَقَةً عَلٰى أَهْلِهٖ وَهُوَ يَحْتَسِبُهَا کَانَتْ لَهٗ صَدَقَةً. (بخاری ۸۰۵/۲، مسلم ۳۲۴/۱)

حضرت ابو مسعود انصاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی صاحب ایمان بندہ اپنے اہل وعیال پر ثواب کی نیت سے خرچ کرے تو وہ اس کے حق میں صدقہ ہوگا اور وہ عند اللہ ثواب کا مستحق ہوگا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ! أَيُّ الصَّدَقَةِ أَفْضَلُ ؟ قَالَ : جُهْدُ الْمُقِلِّ وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُوْلُ.

(رواه أبوداؤد ۱/۲۳۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ: یارسول اللہ! کونسا صدقہ افضل ہے؟ آپ نے فرمایا وہ صدقہ افضل ترین صدقہ ہے جو غریب آدمی اپنی محنت کی کمائی سے کرے، اور پہلے ان پر خرچ کرو جن کے تم ذمہ دار ہو (یعنی بیوی بچوں پر)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : جَاءَ رَجُلٌ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ : عِنْدِيْ دِيْنَارٌ، قَالَ أَنْفِقْهُ عَلٰى نَفْسِكَ، قَالَ : عِنْدِيْ اٰخَرُ، قَالَ: أَنْفِقْهُ عَلٰى وَلَدِكَ، قَالَ: عِنْدِيْ اٰخَرُ، قَالَ : أَنْفِقْهُ عَلٰى أَهْلِكَ، قَالَ : عِنْدِيْ اٰخَرُ، قَالَ أَنْفِقْهُ عَلٰى خَادِمِكَ، قَالَ: عِنْدِيْ اٰخَرُ، قَالَ : أَنْتَ أَعْلَمُ.

(رواه أبوداؤد ۱/۲۳۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا کہ: میرے پاس ایک دینار ہے (بتایئے کہ میں وہ کہاں خرچ کروں اور کس کو دے دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: (سب سے مقدم یہ ہے) کہ اپنی ضرورتوں پر خرچ کرو، اس نے کہا کہ: اس کے لئے میرے پاس اور ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: تو اس کو اپنی اولاد کی ضروریات پر خرچ کرو، اس نے کہا کہ: اس کے لئے میرے پاس اور ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: تو اس کو اپنی بیوی کی ضروریات پر خرچ کرو، اس نے کہا کہ: اس کے لئے میرے پاس اور ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: پھر اس کو اپنے غلام اور خادم پر صرف کردو، اس نے کہا کہ: اس کے لئے میرے پاس اور

ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: تم زیادہ واقف ہو (کہ تمھارے اہل قرابت میں کون زیادہ ضرورت منداور مستحق ہے)

غالبًاان صاحب کے ظاہری حال سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اندازہ کیا تھا کہ یہ خود ضرورت منداور تنگ حال ہیں اوران کے پاس بس ایک دینار ہے اور یہ اس کو ثواب آخرت اور اللہ کی رضا کے لئے کہیں خرچ کرنا چاہتے ہیں اوران کو یہ معلوم نہیں ہے کہ مومن بندہ جو کچھ اپنی ضرورتوں پر خرچ کرے یا اپنے بیوی بچوں اور غلاموں پر (جن کی اس پر ذمہ داری ہے) خرچ کرے وہ سب بھی صدقہ اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور ثواب کا وسیلہ ہے، اس لئے آپ نے ان کو بالترتیب یہ مشورہ دیا، عام اصول اور حکم یہی ہے کہ آدمی پہلے ان حقوق اوران ذمہ داریوں کو ادا کرے جن کا وہ ذاتی اور شخصی طور پر ذمہ دار ہے، اس کے بعد آگے بڑھے، ہاں وہ خاصانِ خدا جن کو توکل واعتماد علی اللہ کا بلند مقام حاصل ہو اوران کے اہل وعیال کو بھی اس دولت میں سے حصہ ملا ہو ان کے لئے یہ صحیح ہے کہ خود فاقہ سے رہیں، پیٹوں پر پتھر باندھیں اور گھر میں جو کھانا ہو وہ دوسرے اہل حاجت کو کھلا دیں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خواص صحابہ کا حال اور طرز عمل یہی تھا۔ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ. (سورۂ حشر)

اہل قرابت پر صدقہ کی خاص فضیلت

عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : الصَّدَقَةُ عَلَى الْمِسْكِيْنِ صَدَقَةٌ وَهِيَ عَلٰى ذِي الرَّحِمِ ثِنْتَانِ صَدَقَةٌ وَصِلَةٌ.

(رواہ مسلم ۱/۳۲۳)

سلیمان بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی اجنبی مسکین کو اللہ کیلئے کچھ دینا صرف صدقہ ہے اور اپنے کسی عزیز قریب (ضرورت مند) کو اللہ کے لئے کچھ دینے میں دو پہلو ہیں اور دو طرح کا ثواب ہے، ایک یہ کہ وہ صدقہ ہے اور دوسرے یہ کہ وہ صلہ رحمی ہے (یعنی حق قرابت کی ادائیگی ہے) جو بجائے خود بڑی نیکی ہے۔

عَنْ زَيْنَبَ امْرَأَةِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٌ قَالَتْ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : تَصَدَّقْنَ يَامَعْشَرَ النِّسَاءِ وَلَوْ مِنْ حِلِيكُنَّ قَالَتْ فَرَجَعْتُ إِلٰى عَبْدِ اللّٰهِ فَقُلْتُ إِنَّكَ رَجُلٌ خَفِيْفٌ ذَاتَ الْيَدِ وَإِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أَمَرَنَا بِالصَّدَقَةِ فَأْتِهِ فَاسْئَلْهُ فَإِنْ كَانَ ذٰلِكَ يُجْزِيْ عَنِّيْ وَإِلَّا صَرَفْتُهَا إِلٰى غَيْرِكُمْ، قَالَتْ فَقَالَ لِيْ عَبْدُ اللّٰهِ بَلِ ائْتِيْهِ أَنْتِ قَالَتْ فَانْطَلَقْتُ فَإِذَا امْرَأَةٌ مِنَ الْأَنْصَارِ بِبَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَاجَتِيْ حَاجَتُهَا قَالَتْ: وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أُلْقِيَتْ عَلَيْهِ الْمَهَابَةُ فَقَالَتْ: فَخَرَجَ عَلَيْنَا بِلَالٌ فَقُلْنَا لَهٗ ائْتِ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرَهٗ أَنَّ امْرَأَتَيْنِ بِالْبَابِ تَسْأَلَانِكَ أَتُجْزِئُ الصَّدَقَةُ عَنْهُمَا عَلٰى أَزْوَاجِهِمَا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی زینب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک خطبہ میں خاص طور سے عورتوں کو مخاطب کرکے) فرمایا کہ: اے خواتین! تم کو چاہئے کہ راہ خدا میں صدقہ کیا کرو، اگرچہ تم کو اپنے زیورات میں سے دینا پڑے (آگے زینب بیان کرتی ہیں کہ) میں نے جب حضورؐ کا یہ ارشاد سنا تو میں اپنے شوہر عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس آئی اور میں نے ان سے کہا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم عورتوں کو خاص طور سے صدقہ کی تاکید فرمائی ہے (اور میں چاہتی ہوں کہ میرے پاس جو کچھ ہے اس میں سے راہِ خدا میں خرچ کرنے کی سعادت حاصل کروں) اور تم بھی تنگ حال اور خالی ہاتھ ہو، اب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر دریافت کرو (کہ اگر میں تم کو ہی دے دوں تو کیا میرا صدقہ ادا ہوجائے گا) اگر میرا تم کو دینا صحیح ہوتو میں تم ہی کو دے دوں گی، ورنہ دوسرے ضرورت مندوں کو دوں گی، کہتی ہیں عبداللہ بن مسعودؓ نے مجھ سے کہا کہ: تم خود ہی جا کر حضورؐ سے دریافت کرو۔ تو میں خود گئی، وہاں پہونچی تو دیکھا کہ انصار میں سے ایک عورت آپ کے دروازے پر کھڑی ہے اس

وَعَلٰى أَيْتَامٍ فِيْ حُجُوْرِهِمَا وَأَلَّا تُخْبِرَهُ مَنْ نَحْنُ قَالَتْ : فَدَخَلَ بِلَالٌ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهُ، فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : مَنْ هُمَا ؟ قَالَ : امْرَأَةٌ مِنَ الْأَنْصَارِ وَزَيْنَبُ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : أَيُّ الزَّيْنَبُ ؟ قَالَ : امْرَأَةُ عَبْدِ اللّٰه، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: نَعَمْ لَهُمَا أَجْرَان أَجْرُ الْقَرَابَةِ وَأَجْرُ الصَّدَقَةِ.

(رواه البخاری ۱۹۷/۱، ومسلم ۳۲۳/۱)

کی غرض بھی وہی ہے جو میری غرض ہے (یعنی وہ بھی یہی مسئلہ معلوم کرنے کے لئے حاضر ہوئی تھی)، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے ایک خاص ہیبت دی تھی (جس کی وجہ سے ہر ایک کو آپ سے دو بدو بات کرنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی اس لئے ہمیں خود آپ ﷺ کے قریب پہونچ کر پوچھنے کی ہمت نہیں ہوئی) اتنے میں (آپ ﷺ کے خاص خادم اور مؤذن حضرت) بلال رضی اللہ عنہ باہر نکلے ہم دونوں نے ان سے کہا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیجئے کہ دو عورتیں دروازے پر کھڑی ہیں اور آپ سے یہ پوچھنا چاہتی ہیں کہ اگر وہ اپنے ضرورت مند شوہروں اور ان یتیموں پر جو خود ان کی گود میں پرورش پارہے ہیں صدقہ کریں تو کیا یہ صدقہ ادا ہو جائے گا؟ (اور ہم کو اس صدقہ کا ثواب ملے گا) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ نہ بتانا کہ ہم کون عورتیں ہیں؟ بلالؓ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان دونوں عورتوں کا سوال آپؐ کی خدمت میں عرض کیا۔ آپؐ نے پوچھا کہ: وہ کون عورتیں ہیں؟ بلالؓ نے عرض کیا کہ: ایک عورت تو انصار میں سے ہے اور دوسری زینب ہے آپؐ نے پوچھا: کون سی زینب؟ بلالؓ نے

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : كَانَ أَبُوْطَلْحَةَ أَكْثَرَ الْأَنْصَارِ بِالْمَدِيْنَةِ مَالاً مِنْ نَخْلٍ وَكَانَ أَحَبُّ أَمْوَالِهِ إِلَيْهِ "بِيْرَحَاءَ" وَكَانَتْ مُسْتَقْبِلَةَ الْمَسْجِدِ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلّٰىاللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْخُلُهَا وَيَشْرَبُ مِنْ مَاءٍ فِيْهَا طِيْبٍ، قَالَ أَنَسٍ : فَلَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ "لَنْ تَنَالُوْا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ" قَامَ أَبُوْطَلْحَةَ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ! إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى : يَقُوْلُ "لَنْ تَنَالُوْا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ" وَاِنَّ أَحَبَّ مَالِيْ إِلَيَّ بِيْرُ حَاءَ وَإِنَّهَا صَدَقَةٌ لِلّٰهِ تَعَالٰى أَرْجُوْ بِرَّهَا وَذُخْرَهَا عِنْدَ اللّٰهِ فَضَعْهَا

عرض کیا عبد اللہ بن مسعودؓ کی بیوی زینب ! آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں (ان کا صدقہ ادا ہو جائے گا بلکہ اس صورت میں) ان کو دوہرا ثواب ملے گا، ایک صدقہ کا اور دوسرا صلہ رحمی کا ثواب۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ کھجور کے باغات کے لحاظ سے مدینہ کے انصار میں سب سے زیادہ دولت مند حضرت ابوطلحہ انصاریؓ تھے اور انھیں اپنے باغات اور جائدادوں میں سب سے زیادہ محبوب بیر حاء تھا، (یہ ان کے ایک قیمتی باغ کا نام تھا اور یہ مسجد نبوی کے بالکل سامنے تھا) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں تشریف لے جایا کرتے تھے، اور اس کا نفیس پانی (شوق سے) نوش فرماتے تھے، حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ جب قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی: "لَنْ تَنَالُوْا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْن" (نیکی اور مقبولیت کا مقام تم کو اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتا جب تک کہ اپنی محبوب چیزوں کو تم راہ خدا میں خرچ نہ کرو) تو حضرت ابوطلحہؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: "لَنْ تَنَالُوْا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْن" اور مجھے اپنی ساری مالیات میں سب

يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ! حَيْثُ أَرَاكَ اللّٰهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: بَخْ بَخْ ذٰلِكَ مَالٌ رَابِحٌ وَقَدْ سَمِعْتُ مَا قُلْتَ وَإِنِّي أَرٰى أَنْ تَجْعَلَهَا فِي الْأَقْرَبِيْنَ، فَقَالَ أَبُوْطَلْحَةَ أَفْعَلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ! فَقَسَّمَهَا أَبُوْطَلْحَةَ فِيْ أَقَارِبِهٖ وَبَنِيْ عَمِّهٖ.

(رواہ البخاری ۱/۱۹۷، ومسلم ۱/۳۲۳)

سے زیادہ محبوب ''بیرحاء'' ہے، اس لئے اب وہی میری طرف سے اللہ کے لئے صدقہ ہے، مجھے امید ہے کہ آخرت میں مجھے اس کا ثواب ملے گا، اور وہ میرے لئے ذخیرہ ہوگا۔ لٰہذا آپ اس کے بارے میں وہ فیصلہ فرمادیں جو اللہ تعالیٰ آپ کے ذہن میں ڈالے (یعنی جو مصرف اس کا مناسب سمجھیں معین فرمادیں) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: واہ واہ! یہ تو بڑی نفع منداور کارآمد جائیداد ہے، میں نے تمہاری بات سن لی (اور تمھارا منشاء سمجھ لیا) میں مناسب سمجھتا ہوں کہ تم اس کو اپنے ضرورت مند قریبی رشتہ داروں میں تقسیم کردو۔ حضرت ابوطلحہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں یہی کروں گا۔ چنانچہ انھوں نے وہ باغ اپنے قریبی رشتہ داروں اور چچازاد بھائیوں میں تقسیم کردیا۔

بعض روایات میں تفصیل کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ حضرت ابوطلحہؓ نے اپنا یہ باغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق اپنے خاص اقارب ابی بن کعبؓ، حسان بن ثابتؓ، شداد بن اوسؓ اور نبیط بن جابرؓ پر تقسیم کردیا تھا، یہ باغ کس قدر قیمتی تھا اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ بعد میں حضرت معاویہؓ نے صرف حضرت حسان بن ثابتؓ کا حصہ ایک لاکھ درہم میں خریدا تھا۔

چونکہ آدمی کا زیادہ واسطہ اپنے عزیزوں قریبوں ہی سے رہتا ہے اور زیادہ تر معاملات انھیں سے پڑتے ہیں، اس لئے اختلافات اور تنازعات بھی زیادہ تر اقارب ہی میں ہوتے ہیں جن کی وجہ سے اس دنیا کی زندگی بھی عذاب بن جاتی ہے اور آخرت بھی برباد ہوتی ہے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تعلیم وہدایت پر عمل کیا جائے اور لوگ اپنے قرابت داروں پر اپنی کمائی خرچ کرنا اللہ کی رضا کا وسیلہ سمجھیں تو دنیا اور آخرت کے بڑے عذاب

سے محفوظ رہیں کاش دنیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور ہدایت کی قدر سمجھے، اور اس سے فائدہ اٹھائے۔

مرنے والوں کی طرف سے صدقہ

صدقہ کیا ہے؟ اللہ کے بندوں کے ساتھ اس نیت سے اور اس امید پر احسان کرنا کہ اس کے صلہ میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور رحمت اور مہربانی نصیب ہوگی، اور بلاشبہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کا کرم واحسان حاصل کرنے کا خاص الخاص وسیلہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی بتایا کہ جس طرح ایک آدمی اپنی طرف سے صدقہ کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے ثواب وصلہ کی امید کرسکتا ہے اسی طرح اگر کسی مرنے والے کی طرف سے صدقہ کیا جائے تو اللہ تعالیٰ اس کا ثواب وصلہ اس مرنے والے کو عطا فرمائے گا تو مرنے والوں کی خدمت اور ان کے ساتھ ہمدردی واحسان کا ایک طریقہ ان کے لئے دعا واستغفار کے علاوہ یہ بھی ہے کہ ان کی طرف سے صدقہ کیا جائے، یا اسی طرح ان کی طرف سے دوسرے اعمال خیر کر کے ان کو ثواب پہونچایا جائے اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مندرجۂ ذیل حدیثیں پڑھیے:

عَنْ عَائِشَةَ ؓ قَالَتْ : إِنَّ رَجُلاً قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أُمِّي افْتَلَتَتْ نَفْسَهَا وَأَظُنُّهَا لَوْ تَكَلَّمَتْ تَصَدَّقَتْ فَهَلْ لَهَا اجر إِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْهَا ؟ قَالَ نَعَمْ .

(رواه البخاری ۱/۳۸٦، ومسلم ۲/٤۱)

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ ایک صاحب نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ: میری والدہ کا بالکل اچانک اور دفعتہً انتقال ہوگیا اور میرا گمان ہے کہ اگر وہ موت واقع ہونے سے پہلے کچھ بول سکتیں تو وہ ضرور کچھ صدقہ کرتیں، تو اب اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا اس کا ثواب ان کو پہونچ جائے گا؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں پہونچ جائے گا۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ؓ اَنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ تُوُفِّيَتْ اُمُّهٗ وَهُوَ غَائِبٌ عَنْهَا فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اُمِّيْ تُوُفِّيَتْ وَاَنَا غَائِبٌ عَنْهَا اَيَنْفَعُهَا شَيْءٌ اِنْ تَصَدَّقْتُ بِهٖ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاِنِّيْ اُشْهِدُكَ اَنَّ حَائِطِيَ الْمِخْرَافَ صَدَقَةٌ عَلَيْهَا .

(رواه البخاری ١/٣٨٦)

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے کہ سعد بن عبادہ ؓ کی والدہ کا انتقال ایسے وقت ہوا کہ خود سعد موجود نہیں تھے (رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک غزوہ میں گئے ہوئے تھے جب ان کی واپسی ہوئی) تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں انہوں نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ ! میری عدم موجودگی میں میری والدہ کا انتقال ہوگیا، تو اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں، تو کیا وہ ان کے لئے نفع مند ہوگا (اور ان کو اس کا ثواب پہنچے گا) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں پہنچے گا، انہوں نے عرض کیا: تو میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اپنا باغ ''مخراف'' اپنی مرحومہ والدہ کے لئے صدقہ کردیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حدیثوں میں (اور ان کے علاوہ بھی بہت سی حدیثوں میں جو کتب حدیث کے مختلف ابواب میں مروی ہیں) یہ بات پوری صراحت کے ساتھ بیان فرمائی ہے کہ صدقہ وغیرہ جو قابل قبول نیک عمل کسی مرنے والے کی طرف سے کیا جائے یعنی اس کا ثواب میت کو پہونچایا جائے تو وہ اس کے لئے نفع مند ہوگا اور اس کو اس کا ثواب پہونچے گا گویا جس طرح اس دنیا میں ایک آدمی اپنا کمایا ہوا پیسہ اللہ کے کسی دوسرے بندے کو دے کر اس کی خدمت اور مدد کرسکتا ہے اور وہ بندہ اس سے نفع اٹھا سکتا ہے اسی طرح اگر کوئی صاحبِ ایمان اپنے مرحوم ماں باپ یا کسی دوسرے مومن بندہ کی طرف سے صدقہ کر

کے اس کو آخرت میں نفع پہونچانا اوراس کی خدمت کرنا چاہے تو مندرجۂ بالا حدیثوں نے بتایا کہ ایسا ہوسکتا ہےاور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔

سبحان اللہ وبحمدہ کتنا عظیم فضل واحسان ہے اللہ تعالیٰ کا کہ اس راستے سے ہم اپنے ماں باپ اور دوسرے عزیزوں قریبوں اور دوستوں محسنوں کی خدمت ان کے مرنے کے بعد بھی کرسکتے ہیں اوراپنے ہدیے اور تحفے ان کو برابر بھیج سکتے ہیں۔(ماخوذ: معارف الحدیث ۶۴/۴ تا ۸۹)

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان تمام احادیث مبارکہ پر عمل کرنے کی توفیق عطافرمائے، اور زیادہ سے زیادہ صدقات وخیرات کرکے عرش کے سائے کے مستحق بن سکیں۔آمین۔



اللہ کی یاد اور آنسوؤں کا نکل آنا

(۷) وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللّٰهَ خَالِياً فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ

حدیث شریف کے اس آخری جز میں عرش کے سائے کے مستحق ساتویں قسم کے آدمی کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص تنہائی اور خلوت میں اللہ کو یاد کرے اور پھر اللہ کی صفات جلالیہ کو دل میں بسا لے اور اس پر خوف وخشیت طاری ہو جائے اور آنکھیں اشکبار ہو جائیں یا اللہ کی صفات جمالیہ کے استحضار اور غلبہ شوق میں اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ کو ایسا بندہ بہت محبوب اور پسندیدہ ہے، اسی محبوبیت کی بنا پر اللہ تعالیٰ اسے عرش کے سائے میں جگہ عطا فرمائیں گے۔ اللہ کی یاد اور اس کے خوف سے رونا بہت بڑی سعادت مندی کی بات ہے، احادیث مبارکہ میں اللہ کے خوف وخشیت سے مغلوب ہو کر رونے والوں کے لئے بڑی خوشخبری وارد ہے چند احادیث مبارکہ درج ہیں شاید ان کو پڑھ کر ہمارے دلوں میں بھی یہ عظیم صفت پیدا ہو اور ہم میدان محشر کی سخت دھوپ اور تمازت میں عرش کے سائے کے مستحق بن جائیں۔

اللہ کے خوف سے نکلنے والے آنسوؤں کی برکت

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا مِنْ عَبْدٍ مُؤْمِنٍ يَخْرُجُ مِنْ عَيْنَيْهِ دُمُوْعٌ، وَإِنْ كَانَ مِثْلَ رَأْسِ الذُّبَابِ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ثُمَّ يُصِيْبُ شَيْئاً مِنْ حَرِّ وَجْهِهٖ اِلَّا حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ. (ابن ماجه ۳۰۹/۲)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ کے خوف وہیبت سے جس بندہ مؤمن کی آنکھوں سے کچھ آنسو نکلیں اگرچہ وہ مقدار میں بہت کم مثلاً مکھی کے سر برابر (یعنی ایک قطرہ ہی کے بقدر ہوں) پھر وہ آنسو بہہ کر اس کے چہرہ پر پہنچ جائیں تو اللہ تعالیٰ اس چہرہ کو آتش دوزخ کے لئے حرام کر دے گا۔

یعنی جو چہرہ خوف خدا کے آنسوؤں سے کبھی تر ہوا ہو اس کو دوزخ کی آگ سے بالکل محفوظ رکھا جائے گا اور دوزخ کی آنچ بھی اس کو نہ لگ سکے گی۔

اللہ کے خوف سے رونگٹے کھڑے ہوجانے کی سعادت

عَنِ الْعَبَّاسِ رضی اللہ عنہ رَفَعَهُ إِذَا اقْشَعَرَّ جِلْدُ الْعَبْدِ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ تَحَاتَتْ عَنْهُ خَطَايَاهُ كَمَا تَحَاتُّ عَنِ الشَّجَرَةِ الْبَالِيَةِ وَرَقُهَا.

(رواه البزار بحواله معارف الحديث ۲/ ۴۵)

حضرت عباسؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کے خوف اور اس کی ہیبت سے کسی بندہ کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں تو اس وقت اس کے گناہ ایسے جھڑتے ہیں جیسے کہ کسی پرانے سوکھے درخت سے پتے جھڑتے ہیں۔

خوف وخشیت اور ہیبت دراصل قلبی کیفیات ہیں لیکن انسان ایسا بنایا گیا ہے کہ اس کی قلبی کیفیات کا ظہور اس کے جسم پر بھی ہوتا ہے مثلاً جب دل میں خوشی کی کیفیت ہوتی ہے تو چہرہ پر بشاشت ظاہر ہوتی ہے اور بعض اوقات وہ اس کیفیت کے اثر سے ہنستا یا مسکراتا ہے اسی طرح جب دل میں حزن وغم ہو تو وہ بھی اس کے چہرہ سے ظاہر ہوتا ہے اور کبھی کبھی وہ اس کے اثر سے روتا بھی ہے اور اس کی آنکھوں سے آنسو گرتے ہیں اسی طرح جب دل پر خشیت اور ہیبت کی کیفیت طاری ہو تو جسم پر اس کا اثر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سارے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، اگر کسی بندہ کو اللہ کے خوف وخشیت کی وجہ سے یہ سعادت حاصل ہوجائے تو اس وقت اس کے گناہ ایسے جھڑتے ہیں جیسے خزاں کے موسم میں سوکھے درختوں کے پتے جھڑتے ہیں۔

اللہ کے خوف کی وجہ سے دوزخ سے خلاصی

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : يَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ ذِكْرُهُ اَخْرِجُوْا مِنَ النَّارِ مَنْ ذَكَرَنِيْ

حضرت انسؓ سے روایت ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن (ان فرشتوں کو جو دوزخ پر مقرر ہوں گے) حکم دے گا کہ جس

یَوْماً أَوْخَافَنِيْ فِيْ مَقَامٍ.

(ترمذی شریف ۸۷/۲)

شخص نے کبھی مجھے یاد کیا یا کسی موقع پر جو بندہ مجھ سے ڈرا اس کو دوزخ سے نکال لیا جائے۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا جو شخص دنیا سے اس حالت میں گیا کہ وہ کافر یا مشرک نہیں تھا بلکہ ایمان کی دولت اسے نصیب تھی لیکن گناہ بہت تھے اعمال صالحہ کا کوئی ذخیرہ بھی نہیں تھا، اس کے باوجود کبھی اللہ تعالیٰ کو یاد کیا تھا اور اس کے دل میں خدا کے خوف کی کچھ کیفیت پیدا ہوئی تھی تو قیامت کے دن وہ اپنے قصوروں کی سزا بھگتنے کے لئے دوزخ میں ڈال تو دیا جائے گا لیکن پھر کسی دن کے اللہ کے ذکر اور خوف کی برکت سے اس کو نجات مل ہی جائے گی اور وہ دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔

خوف خدا اور تقویٰ ہی فضیلت کا معیار

عَنْ أَبِیْ ذَرٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهٗ اِنَّکَ لَسْتَ بِخَيْرٍ مِنْ اَحْمَرَ وَلا اَسْوَدَ إِلَّا أَنْ تُفَضِّلَهٗ بِتَقْوىٰ.

(مسند أحمد ۱۵۸/۵)

حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تم کو اپنی ذات سے نہ کسی گورے کے مقابلے میں بڑائی حاصل ہے نہ کسی کالے کے مقابلے میں، البتہ تقویٰ یعنی خوف خدا کی وجہ سے تم کسی کے مقابلے میں بڑے ہو سکتے ہو۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا مال و دولت، شکل و صورت، رنگ و نسل اور زبان و وطن جیسی کسی چیز کی وجہ سے کسی کو کسی دوسرے کے مقابلے میں کوئی فضیلت حاصل نہیں ہوتی، فضیلت کا معیار صرف تقویٰ ہے (یعنی خوف خدا اور وہ زندگی جو خدا کے خوف سے بنتی ہے) اس میں جو جتنا بڑھا ہوا ہے وہ اللہ کے نزدیک اتنا ہی بڑا اور بلند ہے۔ إِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ.

ایک گنہگار کی خوف خدا کی وجہ سے بخشش

عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک شخص نے اپنے

اَسْـرَفَ رَجُـلٌ عَلیٰ نَفْسِهٖ فَلَمَّا حَـضَرَهُ الْمَوْتُ اَوْصیٰ بَنِیْهِ إِذَا مَـاتَ فَحَرَّقُوْهُ، ثُمَّ اذْرَؤُا نِصْفَهٗ فِـیْ الْبَـرِّ وَنِـصْـفَـهٗ فِیْ الْبَحْرِ، فَـوَاللّٰــهِ لَـئِـنْ قَدَرَ اللّٰـهُ عَلَیْـهِ لَیُعَذِّبَنَّهٗ عَذَاباً لایُعَذِّبَهٗ أَحَداً مِنَ الْـعَـالَـمِیْنَ، فَلَمَّا مَاتَ فَعَلُوْا مَا اَمَـرَهُـمْ فَاَمَرَ اللّٰهُ الْبَحْرَ فَجَمَعَ مَـا فِیْهِ وَاَمَرَ الْبَرَّ فَجَمَعَ مَا فِیْهِ، ثُـمَّ قَـالَ لَهٗ لِمَ فَعَلْتَ هٰذَا ؟ قَالَ مِـنْ خَشْیَتِکَ یَـارَبِّ ! وَأَنْـتَ أَعْلَمُ فَغَفَرَلَهٗ.

(مشکوٰۃ شریف ۲/۲۰۷)

نفس پر بڑی زیادتی کی (اور بڑا ظلم کیا یعنی غفلت سے اللہ کی نافرمانی والی زندگی گذارتا رہا) جب اس کی موت کا وقت آیا (تو اپنی پچھلی زندگی کو یاد کر کے اس پر اللہ کے خوف کا بہت زیادہ غلبہ ہوا اور آخرت کے برے انجام سے وہ بہت ڈرا یہاں تک کہ) اس نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ جب میں مر جاؤں تو تم مجھے جلا کر راکھ کر دینا، پھر تم میری اس راکھ میں سے آدھی تو کہیں خشکی میں بکھیر دینا اور آدھی کہیں دریا میں بہا دینا (تا کہ میرا کہیں پتہ نشان بھی نہ رہے اور جزا وسزا کے لئے دوبارہ زندہ نہ کیا جاؤں اس نے کہا کہ جب میں ایسا گنہگار ہوں کہ) اللہ کی قسم! اگر خدا نے مجھے پکڑ لیا تو وہ مجھے ایسا سخت عذاب دے گا جو دنیا جہان میں سے کسی کو بھی نہ دے گا۔ اس کے بعد جب وہ مر گیا تو اس کے بیٹوں نے اس کی وصیت پر عمل کیا (جلا کر اس کی راکھ کو کچھ ہوا میں اڑا دیا اور کچھ دریا میں بہا دیا) پھر اللہ کے حکم سے خشکی اور تری سے اس کے اجزاء جمع ہوئے (اور دوبارہ زندہ کیا گیا) پھر اس سے پوچھا گیا تو نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے عرض کیا: اے میرے مالک! تو خوب جانتا ہے کہ تیرے ڈر سے ہی میں نے ایسا کیا تھا۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واقعہ بیان فرما کر ارشاد فرمایا کہ) اللہ تعالیٰ نے اس بندہ کی بخشش کا فیصلہ فرما دیا۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے زمانہ کے جس شخص کا یہ واقعہ ذکر فرمایا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی شان وصفات سے بھی ناواقف تھا اور اعمال بھی اچھے نہ تھے۔ لیکن مرنے سے پہلے اس پر خدا کے خوف کی کیفیت اتنی غالب ہوئی کہ اس نے اپنے بیٹوں کو ایسی

جاہلانہ وصیت کردی اور یہ سمجھا کہ میری راکھ کے ذرات اس طرح خشکی اورتری میں منتشر ہوجانے کے بعد میرے پھر زندہ ہونے کا کوئی امکان نہیں رہے گا۔لیکن اس جاہلانہ غلطی کا منشاءاورسبب چونکہ خدا کا خوف اوراس کے عذاب کا ڈر تھا اسلئے اللہ تعالیٰ نے اسے بخش دیا۔

اللہ کے خوف سے رونا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا مجھے قرآن پڑھ کرسناؤ، میں نے عرض کیا، میں آپ کوقرآن سناؤں حالانکہ قرآن خودآپ پرنازل ہواہے، حضور ﷺ نے فرمایا میرادل چاہتا ہے کہ میں دوسروں سےقرآن سنوں، چنانچہ میں نےسورہ نساء پڑھنی شروع کردی،اورجب میں **فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰؤُلَاءِ شَهِيدًا** پر پہونچا تو حضور ﷺ نے فرمایا بس کرو میں نے آپ کی طرف دیکھا تو آپکی مبارک آنکھیں آنسو بہارہی تھیں۔(بخاری ۲/۶۵۹،حیاۃ الصحابہ عربی ۲۵۸،۲۵۹)

مذکورہ آیت میں میدان آخرت کے استحضار کی طرف توجہ دلائی گئی ہےاور کفار قریش کی توبیخ بھی مقصود ہےآیت کریمہ کا ترجمہ یہ ہے''لوگوں کا کیا حال ہوگا جب میدان حشر میں ہرہرامت کا نبی اپنی امت کے نیک وبداعمال پربطور گواہ پیش ہوگا اورآپ بھی اپنی امت پر گواہ بن کر حاضر ہوں گے،،اور بطور خاص ان کفارومشرکین کے متعلق خدائی عدالت میں گواہی دیں گے کہ انھوں نے کھلے کھلے معجزات دیکھ کر بھی تکذیب کی اورآپ کی وحدانیت اورمیری رسالت پر ایمان نہ لائے۔

علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم کواس آیت سے آخرت کا منظر مستحضر ہوگیا اوراپنی امت کے کوتاہ عمل اور بدعمل لوگوں کی بابت خیال آیا اسلئے آپ ﷺ کی مبارک آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔(معارف القرآن ۲/۴۲۰،اصلاحی مضامین ۱/۴۱)

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی **اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ وَتَضْحَكُوْنَ وَلَا تَبْكُوْنَ.** (سورہ نجم آیت:۵۹-۶۰)''سوکیا ایسے خوف کی باتیں سن کر بھی تم لوگ اس کلام (الٰہی) سے تعجب کرتے ہو،اور ہنستے ہواورخوف عذاب سے روتے نہیں

ہو"۔ تو اصحاب صفّہ اتنا روئے کہ آنسوان کے رخساروں پر بہنے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کے رونے کی ہلکی ہلکی آواز سنی تو آپ بھی ان کے ساتھ رو پڑے۔ آپؐ کے رونے کی وجہ سے ہم بھی رو پڑے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ کے ڈر سے روئے گا وہ آگ میں داخل نہیں ہوگا اور جو گناہ پر اصرار کرے گا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ اور تم گناہ نہ کرو (اور استغفار کرنا چھوڑ دو) تو اللہ ایسے لوگوں کو لے آئے گا جو گناہ کریں گے (اور استغفار کریں گے) اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کرے گا۔ (حیاۃ الصحابہ ۳/۸۲۷، عربی ۳/۲۵۹)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی: "وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ". (بقرہ آیت ۲۴) "جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں" پھر آپ نے فرمایا کہ جہنم میں ایک ہزار سال تک آگ جلائی گئی، یہاں تک کہ وہ سرخ ہوگئی، پھر ایک ہزار سال تک جلائی گئی یہاں تک کہ وہ کالی ہوگئی، اب یہ آگ کالی اور تاریک ہے، اس کا شعلہ کبھی نہیں بجھتا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک سیاہ رنگ کا آدمی بیٹھا ہوا تھا وہ یہ سن کر زور زور سے رونے لگا اتنے میں حضرت جبرئیلؑ آسمان سے اتر آئے اور انھوں نے پوچھا یہ آپ کے سامنے رونے والے کون ہیں؟ حضرت ﷺ نے فرمایا یہ حبشہ کے رہنے والے ہیں، اور حضور ﷺ نے ان کی تعریف کی، حضرت جبرئیلؑ نے کہا اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں، میری عزت اور میرے جلال کی قسم؛ عرش پر میرے بلند ہونے کی قسم؛ جس بندہ کی آنکھ دنیا میں میرے ڈر سے روئے گی، میں جنت میں اسے خوب ہنساؤں گا۔ (حیاۃ الصحابہ عربی ۳/۲۵۹، ۲۶۰)

حضرت قیس بن حازمؒ فرماتے ہیں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے آیا تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم مقام بن چکے تھے، پہلے تو انھوں نے اللہ کی خوب تعریف بیان کی اور پھر خوب روئے۔ (حیاۃ الصحابہ عربی ۳/۲۶۰)

حضرت حسن بن علیؓ بن ابی طالب کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ بن الخطاب جمعہ کے خطبہ میں اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ پڑھ رہے تھے جب عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا اَحْضَرَتْ پر پہونچے تو (رونے کے غلبہ کی وجہ سے) ان کی آواز بلند ہوگئی۔ (حیاۃ الصحابہ عربی ۳/۲۶۰)

حضرت حسنؒ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے یہ آیتیں پڑھیں اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ لَوَاقِعٌ، مَالَهُ مِنْ دَافِعٍ. (سورہ طور آیت ۷-۸) بے شک آپ کے رب کا عذاب ضرور ہو کر رہے گا، کوئی اس کو ٹال نہیں سکتا، تو ان کا سانس پھول گیا۔ (اور وہ بیمار ہو گئے) اور بیس دن تک ایسے بیمار رہے کہ لوگ ان کی عیادت کرتے رہے۔ (حیاۃ الصحابہ عربی ۲۶۰/۳)

حضرت عبید بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ہمیں فجر کی نماز پڑھائی جس میں سورہ یوسف شروع کر دی اور پڑھتے پڑھتے جب وَابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ. (آیت ۸۴) پر پہونچے تو اتنا روئے کہ آگے نہ پڑھ سکے اور رکوع کر دیا۔ (حیاۃ الصحابہ عربی ۲۶۱/۳)

حضرت عبداللہ بن شداد بن ہاد کہتے ہیں کہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ فجر کی نماز میں سورہ یوسف پڑھ رہے تھے میں آخری صف میں تھا جب پڑھتے پڑھتے اِنَّمَا اَشْكُوْ بَثِّيْ وَحُزْنِيْ اِلَى اللّٰهِ (آیت ۸۶) پر پہونچے تو میں نے آخری صف سے حضرت عمرؓ کی بلک بلک کر رونے کی آواز سنی۔ (حیاۃ الصحابہ عربی ۲۶۱/۳)

حضرت ہشام بن حسنؒ کہتے ہیں امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ قرآن پڑھتے ہوئے (جب عذاب) کی کسی آیت پر گذرتے تو ان کا گلا گھٹ جاتا اور اتنا روتے کہ نیچے گر جاتے اور پھر (کمزور ہو جانے کی وجہ سے) کئی دن گھر رہتے اور لوگ ان کو بیمار سمجھ کر عیادت کرتے۔ (حیاۃ الصحابہ عربی ۲۶۱/۳)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ حضرت معاذؓ کے پاس سے گذرے وہ رو رہے تھے حضرت عمرؓ نے پوچھا آپ کیوں رو رہے ہیں؟ حضرت معاذؓ نے کہا ایک حدیث کی وجہ سے رو رہا ہوں جو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے کہ ریا کا ادنیٰ درجہ بھی شرک ہے اور اللہ کو بندوں میں سے سب سے زیادہ محبوب وہ لوگ ہیں جو متقی ہوں، اور ان کے حالات لوگوں سے چھپے ہوئے ہوں یہ اگر نہ آئیں تو کوئی انھیں تلاش نہ کرے اور اگر آ جائیں تو کوئی نہ پہچانے یہی لوگ ہدایت کے امام اور علم کے چراغ ہیں۔ (حیاۃ الصحابہ عربی ۲۶۲/۳)

حضرت قاسم بن برہؒ کہتے ہیں، کہ ایک صاحب نے مجھ سے یہ واقعہ بیان کیا کہ انھوں نے حضرت ابن عمرؓ کو سورہ **وَیۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِیۡنَ** پڑھتے ہوئے سنا۔ جب وہ **یَوۡمَ یَقُوۡمُ النَّاسُ لِرَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ،** (جس دن تمام آدمی رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے) پر پہونچے تو رونے لگے، اور اتنا روئے کہ بے اختیار ہو کر زمین پر گر گئے اور اس سے آگے نہ پڑھ سکے۔ (حیاۃ الصحابہ ۲۶۳/۳)

حضرت نافعؒ کہتے ہیں کہ جب بھی حضرت ابن عمرؓ سورہ بقرہ کی آخری یہ دو آیتیں پڑھتے تو رونے لگتے: **وَاِنۡ تُبۡدُوۡا مَافِیۡ اَنۡفُسِکُمۡ اَوۡ تُخۡفُوۡہُ یُحَاسِبۡکُمۡ بِہِ اللّٰہُ،** (جو باتیں تمھارے نفسوں میں ہیں ان کو اگر تم ظاہر کروگے یا پوشیدہ رکھوگے، حق تعالیٰ تم سے حساب لیں گے) اور فرماتے یہ حساب تو بہت سخت ہے۔ (حیاۃ الصحابہ عربی ۲۶۳/۳)

حضرت عبداللہ ابن عمروؓ بن العاص فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی: **رَبِّ اِنَّھُنَّ اَضۡلَلۡنَ کَثِیۡراً مِّنَ النَّاسِ** (اے میرے پروردگار ان بتوں نے بہت لوگوں کو گمراہ کر دیا، پھر جو شخص میرے راستہ پر چلے گا وہ تو میرا ہے اور جو شخص میرا کہنا نہ مانے سو آپ بہت معاف کرنے والے ہیں اور بہت رحم کرنے والے ہیں) پھر آپؐ نے یہ آیت تلاوت کی: **اِنۡ تُعَذِّبۡھُمۡ فَاِنَّھُمۡ عِبَادُکَ، وَاِنۡ تَغۡفِرۡلَھُمۡ فَاِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ** ۔ (المائدۃ: ۱۱۸) (اگر آپ ان کو سزا دیں تو یہ آپ کے بندے ہیں اور اگر آپ ان کو معاف کردیں تو آپ زبردست ہیں حکمت والے ہیں) اس کے بعد آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور فرمایا **اللّٰھم امتی، اللّٰھم امتی، اللّٰھم امتی** ! اے اللہ میری امت، اے اللہ میری امت، اے اللہ میری امت ! یہ کہتے ہوئے رونے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے جبرئیلؑ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جاؤ اور ان سے پوچھو کہ تمھیں کیا چیز رلا رہی ہے (حالانکہ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں) تو جبرئیلؑ آپؐ کے پاس آئے اور جو کچھ آپ نے امت کے بارے میں فرمایا جبرئیلؑ نے بارگاہ رب ذوالجلال میں عرض کردیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے جبرئیل! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ اور ان سے کہو بیشک میں تم کو تمہاری امت کے بارے میں راضی کردوں گا اور تم کو رنجیدہ نہ ہونے دوں گا۔ (مسلم شریف ۱۱۳/۱)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں عالم غیب کی وہ چیزیں دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور وہ آوازیں سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے آسمان چرچرا رہا ہے اور حق یہ ہے کہ وہ چرچرائے۔ قسم ہے اس رب ذوالجلال کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، آسمان میں چار انگل جگہ بھی نہیں ہے کہ جہاں کوئی فرشتہ اللہ کے حضور میں اپنا ماتھا رکھے سجدہ میں نہ پڑا ہوا گر تم وہ باتیں جانتے جو میں جانتا ہوں تو تم بہت کم ہنستے اور بہت زیادہ روتے اور بستروں پر بیویوں سے بھی لطف اندوز نہ ہو سکتے اور اللہ تعالیٰ سے نالہ وفریاد اور گریہ وزاری کرتے ہوئے بیابانوں اور جنگلوں کی طرف نکل جاتے (اس حدیث کو نقل کر کے) حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کاش میں ایک درخت ہوتا جو کاٹ دیا جاتا۔ (ابن ماجہ ۳۰۹، ترمذی ۲/۵۷، مسند احمد ۵/۱۷۳)

مذکورہ حدیث کے راوی حضرت ابوذر غفاریؓ پر اس حدیث کا اتنا اثر پڑا تھا کہ بعض اوقات اس حدیث کے بیان کرنے کے ساتھ ان کے دل کی آواز نکل جاتی تھی کہ اے کاش میں ایک درخت ہوتا جس کو جڑ سے کاٹ ڈالا جاتا اور، پھر آخرت میں حساب کے لئے پیشی نہ ہوتی۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی موت کا وقت قریب آیا وہ رونے لگے، ان سے کہا گیا آپ تو حضور صلی علیہ وسلم کے ساتھی ہیں اور آپ تو اِن اِن صفات کے مالک ہیں کیا آپ بھی موت کے خوف سے روتے ہیں؟ تو حضرت معاذؓ نے فرمایا: ''میں نہ موت کی وجہ سے روتا ہوں اور نہ دنیا کے چھوٹ جانے پر، بلکہ اس پر روتا ہوں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ دو مٹھی بھر کر ایک جنت میں ایک جہنم میں پھینکے گا نہ معلوم میں کس مٹھی میں ہوں گا۔ (اسد الغابہ ۴/۴۲۶، صحابہ کے آنسو ۳۶، ۳۷)

(۱) عَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ رضي الله عنه قَالَ : قَالَ رَجُلٌ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ ! بِمَ اَتَّقِي النَّارَ ؟ قَالَ : بِدُمُوْعِ عَيْنَيْكَ فَاِنَّ عَيْناً بَكَتْ مِنْ

حضرت زید بن ارقمؓ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں جہنم سے کس چیز کے ذریعہ سے بچ سکتا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی آنکھوں کے

خَشْيَةِ اللّٰهِ لاتَمَسُّهَا النَّارُ اَبَداً.

(الرقة والبكاء/٤٣، الترغيب والترهيب/٢٣٠)

(۲) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهُ ﷺ: عَيْنٌ بَكَتْ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ لاتَمُسُّهَا النَّارُ اَبَداً. (الرقة والبكاء/٤٤)

(۳) عَنْ حُمَيْدٍؒ قَالَ سَمِعْتُ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّهُ سَأَلَ جِبْرَئِيْلَ مَا لِيْ لا اَرىٰ مِيْكَائِيْلَ يَضْحَكُ ؟ قَالَ جِبْرَئِيْلُ : مَاضَحِكَ مِيْكَائِيْلُ مُنْذُ خُلِقَتِ النَّارُ. (الرقة والبكاء/٢٦٩، مسند أحمد/٢٢٤)

(۴) عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ يَقُوْلُ : سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلّٰى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ وَهُوَ يَقُوْلُ: "لا تَنْسَوُا الْعَظِيْمَتَيْنِ" قُلْنَا وَمَا الْعَظِيْمَتَانِ؟ قَالَ اَلْجَنَّةُ وَالنَّارُ فَذَكَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلّٰى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا ذُكِرَ، ثُمَّ بَكىٰ حَتّٰى جَرىٰ (فِى التَرغيب: جَرىٰ اَوْبَلَّ) اَوَائِلُ دُمُوْعِهٖ جَانِبَىْ لِحُيَتِهٖ قَالَ: وَالَّذِيْ نَفْسُ

آنسوؤں کے ذریعہ، کیونکہ جوآنکھ اللہ کےخوف سےروئی اسکوکبھی بھی جہنم کی آگ نہیں چھوسکتی۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جوآنکھ اللہ کے خوف سے روئی اس کوکبھی بھی جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی۔

حضرت حمیدؒ فرماتے ہیں میں نے حضرت انسؓ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سنا آپؐ نے حضرت جبرئیلؑ سے پوچھا کیا بات ہے میں میکائیل کو ہنستے نہیں دیکھتا ہوں حضرت جبرئیلؑ نے فرمایا جب سے جہنم کو پیدا کیا گیاہے حضرت میکائیلؑ نہیں ہنسے۔

ابن عمرؓ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوخطبہ دیتے ہوئے سنا آپ فرمارہے تھے دو بڑی بڑی چیزوں کوفراموش نہ کرو، ہم نے کہا وہ کیا کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا (۱)جنت (۲)دوزخ، پھرآپؐ نے کچھ اور چیزیں ذکرکیں پھرآپؐ روپڑے یہاں تک کہ آپؐ کے(آنسوؤں نے آپؐ کی داڑھی کی دونوں جانبیں ترکردیں) آنسوؤں کے ابتدائی قطرات داڑھی کے دونوں سائیڈوں میں بہہ کر چلے گئے، پھرآپؐ نے فرمایااس ذات کی

مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مِنْ عِلْمِ الْاٰخِرَةِ مَا اَعْلَمُ لَمَشَيْتُمْ اِلَىٰ الصَّعِيْدِ، فَلَحَثَيْتُمْ عَلٰى رُؤُسِكُمُ التُّرَابُ. (الرقة والبكاء/٩٧)

قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے اگر تم لوگ وہ آخرت کی چیزوں میں سے وہ چیزیں جان لو جسے میں یا جتنا میں جانتا ہوں تو تم جنگل کی طرف نکل جاؤ اور اپنے سروں پر خاک ڈالنے لگو۔

(۵) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رضي الله عنه عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَايَلِجُ النَّارَ مَنْ بَكىٰ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ حَتّٰى يَعُوْدَ اللَّبَنُ فِيْ الضَّرْعِ وَلَايَجْتَمِعُ غُبَارٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَدُخَانُ جَهَنَّمَ فِيْ مِنْخَرَىْ عَبْدٍ اَبَداً. (الرقة والبكاء/٤١)

حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وہ آدمی جہنم میں نہیں جائے گا جو اللہ کے خوف سے رویا جب تک کہ دودھ تھن میں واپس نہ چلا جائے، اور اللہ کے راستہ میں جہاد فی سبیل اللہ کا غبار اور جہنم کا دھواں بندہ کے (ناک کے) نتھنوں میں کبھی جمع نہ ہوگا۔

(٦) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَامِنْ عَبْدٍ مُؤْمِنٍ يَخْرُجُ مِنْ عَيْنَيْهِ دُمُوْعٌ وَاِنْ كَانَ مِثْلَ رَأْسِ الذُّبَابِ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ثُمَّ تُصِيْبُ شَيْئاً مِنْ حَرِّ وَجْهِهٖ إِلَّا حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ. (الرقة والبكاء/ ٤٢، ابن ماجه ٣٠٩/٢)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس مسلمان بندہ کی آنکھوں سے اللہ کے خوف سے آنسو نکلیں اگرچہ وہ مکھی کے سر کے برابر ہوں پھر اس کے چہرہ کے رخسار کو لگ جائیں تو اللہ اس کو جہنم پر حرام کر دیتا ہے۔

(٧) عَنْ أَبِيْ رَيْحَانَةَ صَاحِبِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: لَاتَرىٰ النَّارَ عَيْنٌ بَكَتْ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَلَاعَيْنٌ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق ابوریحانہؓ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا جہنم کی آگ کو نہ وہ آنکھ دیکھ پائے گی جو اللہ کے خوف سے روئی اور نہ

سَهِرَتْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ. (الرقة والبكاء ٤٣، الترغيب والترهيب ٢٢٨/٤)

وہ آنکھ جو اللہ کے راستہ میں بیدار رہی۔

(٨) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَامِنْ قَطْرَةٍ أَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ مِنْ قَطْرَةٍ مِنْ دَمٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَطْرَةِ دُمُوْعٍ قَطَرَتْ مِنْ عَيْنِ رَجُلٍ فِيْ جَوْفِ اللَّيْلِ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ. (الرقة والبكاء/٤٤)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ کے راستہ میں بہنے والے خون کے قطرہ سے زیادہ اللہ کو کوئی قطرہ پسند نہیں ہے، اور آنسو کے اس قطرہ سے (زیادہ کوئی قطرہ پسند نہیں) جو آدمی کی آنکھ سے بیچ رات میں اللہ کے خوف سے ٹپکے (بہے)۔

(٩) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لاَ يَلِجُ النَّارَ رَجُلٌ بَكىٰ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ حَتّٰى يَعُوْدَ اللَّبَنُ فِى الضَّرْعِ وَلاَيَجْتَمِعُ غُبَارٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَدُخَانُ جَهَنَّمَ. (ترمذی ۵۷/۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جہنم میں وہ آدمی داخل نہیں ہوسکتا جو اللہ کے خوف سے رویا یہاں تک کہ دودھ تھن میں واپس چلا جائے اور اللہ کے راستہ (میں جہاد) کا غبار اور جہنم کا دھواں جمع نہیں ہوسکتا۔

مذکورہ بالا تمام احادیث شریفہ سے معلوم ہوا اللہ کے خوف وخشیت یا غلبہ شوق میں آنسو بہانے والے شخص کی اللہ کے نزدیک بڑی قدر ومنزلت ہے اسی وجہ سے میدان محشر میں اللہ تعالیٰ بطور اعزاز واکرام ایسے شخص کو عرش کے سائے میں جگہ عطا فرمائے گا۔

مگر یہ تخصیص سات ہی طرح کے حضرات کے ساتھ نہیں بلکہ دیگر بعض احادیث میں اور اعمال پر بھی اسی اعزاز کا اعلان کیا گیا ہے، مسلم شریف میں ہے:

مَنْ اَنْظَرَ مُعْسِرًا أَوْ وَضَعَ لَهٗ اَظَلَّهُ اللّٰهُ فِى ظِلِّهٖ يَوْمَ لاَ ظِلَّ اِلَّا ظِلُّهٗ.

جو شخص کسی تنگدست کو مہلت دے یا اس کا قرض معاف کردے تو اللہ تعالیٰ اسے اس دن اپنے سایہ میں جگہ عطا فرمائے گا جب اس

کے سایہ کے سوا کسی کا سایہ نہ ہوگا۔ (مسلم شریف ۲/۲۱۶، فتح الباری ۳/۱۸۳)

علاوہ ازیں حافظ ابن حجرؒ نے ان صفات کی فہرست میں ایک مستقل رسالہ ”مَعْرِفَةُ الْخِصَالِ الْمُوْصِلَةِ إِلَى الظِّلَالِ“ کے نام سے لکھا ہے جس میں درج بالا صفات کے ساتھ، درج ذیل اعمال کو بھی شامل فرمایا ہے:

(۱) مجاہد فی سبیل اللہ کی مدد کرنا (۲) قرض دار کے قرضہ کی ادائیگی کرنا (۳) مکاتب (غلام کی آزادی) میں مدد کرنا (۴) لوگوں کیساتھ خوش اخلاقی سے پیش آنا (۵) بار بار غم سے سابقہ پڑنا (٦) امانت و دیانت کے ساتھ تجارت کرنا (۷) مسجد کی طرف چل کر جانا (۸) ناگواری طبع کے باوجو کامل وضو کرنا (۹) بچا ہوا کھانا محتاجوں کو کھلانے کا معمول بنالینا (۱۰) اپنا حق فتنہ کے ڈر سے چھوڑ دینا (۱۱) کسی ضرورت مند کی کفالت کرنا۔ (فتح الباری ۳/۱۸۳)

اس موضوع پر علامہ سخاویؒ اور علامہ سیوطیؒ نے بھی باقاعدہ رسائل لکھے ہیں اور ایسی صفات کی تعداد ۹۰ تک پہنچادی ہے لیکن وہ روایتیں اکثر ضعیف ہیں۔ (فیض القدیر ۴/۱۱۴تا۱۱۷)

بہر حال دنیا ہی میں ہمیں یہ کوشش کرنی چاہئے کے ہم ایسے اعمال اختیار کریں کہ ہمیں میدان محشر میں اعزاز واکرام کے ساتھ عرش خداوندی کا متبرک سایہ باعافیت نصیب ہوجائے ہمارے آقا جناب رسول اللہ ﷺ کا یہ ہم پر عظیم احسان ہے کہ آپ نے ہمیں ان اسباب کی خبر عطا فرمادی ہے، ان تمام تفصیلات کے آنے کے باوجود اگر کوئی شخص کوتاہی کرتا ہے تو اس سے بڑا محروم اور کوئی نہیں ہوسکتا ہے۔ (اللہ سے شرم کیجئے/۳۶۳-۳۶۴)

دعا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی میدان محشر کی سخت دھوپ وتپش سے محفوظ رکھ کر عرش کے سائے میں جگہ مرحمت فرمائے۔ آمین۔

کلیم اللہ قاسمی

خادم دارالافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

۱۵/شعبان ۱۴۲۷ھ